ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور

212

شوال ۱۴۴۶/ اپریل 2025

تقبل اللہ منا ومنکم صالح الاعمال

ادارہ مسلمان بچے کی طرف سے تمام اہل اسلام کو

عید مبارک

ڈھیروں، دلچسپ رنگا رنگ تحریریں، کہانیاں اور بہت کچھ

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور
پاکستان

بچوں کے
اسلامی، اخلاقی، تعلیمی
اور تربیتی ادب کا ترجمان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

شوال ۱۴۴۶ھ بمطابق اپریل 2025ء

شمارہ: 10
جلد: 18

قیمت فی شمارہ: 70 روپے

سالانہ زر تعاون = /840 روپے

اپنی کہانیاں اور مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیلِ رقم اور حصولِ رسالہ کیلئے:

مکتبۃ ابنِ مبارک

37۔ حق سٹریٹ
اردو بازار۔ لاہور

موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں


تحفۂ عید


گھوڑے


مال ساتھ لے جائیں


شوق شہادت

اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

’’میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطاء فرمائی ہے اور نبی بنایا ہے اور جہاں کہیں میں ہوں مجھے اس نے بابرکت بنایا ہے اور جب تک میں زندہ رہوں گا مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی ہے۔‘‘ (سورہ مریم)

حمد باری تعالیٰ

دل کو شعور جاں کو توانائی بخش دی
گویائی لب کو آنکھ کو بینائی بخش دی
جس گل کو جو قبا بھی پسند آئی بخش دی
یوں گلستان کو رونق و رعنائی بخش دی
پہلے تو اس نے بزم جہاں کو سجا دیا
پھر آدمی کو چشمِ تماشائی بخش دی
اس نے سکوت بخش دیا رنگ و نور کو
خاکی وجود کو سخن آرائی بخش دی
بلبل کو نغمہ بخش دیا رقص مور کو
سرخی شفق کو صبح کو زیبائی بخش دی
مہر و مہ و نجوم ضیاء لے کے خوش رہے
آتش کو سوز دشت کو پنہائی بخش دی
شیطاں کو شر فرشتوں کو طاعت عطا ہوئی
شورش جنوں کو عقل کو دانائی بخش دی

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس بندے نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ تعالیٰ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ تو مبارک اور عیادت کے لئے تیرا چلنا مبارک اور تو نے یہ عمل کر کے جنت میں اپنا گھر بنالیا۔ (سنن ابن ماجہ)

نعت رسول مقبول ﷺ

کوئی ہے ان کے سوا شافع محشر بولو
کوئی ہے ان کے سوا صاحب کوثر بولو
کس کے سر پر ہے سجی ختم نبوت کی کلاہ
آخری کون ہے اللہ کا پیمبر بولو
اک اشارے سے کیا چاند کو کس نے دو نیم
چاند سے بڑھ کے تھا کس کا رخ انور بولو
ہر نبی آتا تھا اپنے ہی زمانے کے لئے
ہر زمانے کا ہے اب کون پیمبر بولو
سب کتابیں ہوئیں منسوخ جب آیا قرآن
ساری دنیا کا ہے قرآن ہی رہبر بولو
کلمہ کیوں نہ پڑھیں اس کا کہ ہم ہیں انساں
کلمہ پڑھتے تھے اس شخص کا پتھر بولو
کس کی گستاخی پہ تھی سورۃ تبت اتری
کس کے دشمن کو کہا تھا ’’ھُوَ الْاَبْتَر‘‘ بولو



ایک دُعا یاد کیجئے

أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ
مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ

ترجمہ: میں پناہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کی اس تکلیف کے شر سے جو میں پا رہا ہوں اور جس کا مجھے خطرہ ہے۔

ایک حدیث یاد کیجئے

مَنْ عَزّٰى مُصَابًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کے لئے مصیبت زدہ کا سا اجر ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

آج عید ہے

سجدوں سے چاند رات سجاؤ کہ عید ہے
اُٹھو علی الصبح نہاؤ کہ عید ہے

اے دوست عیدگاہ کو آؤ کہ عید ہے
رب کے حضور سَر کو جھکاؤ کہ عید ہے

خود اچھے کھانے پکاؤ کہ عید ہے
چولہا غریب کا بھی جلاؤ کہ عید ہے

مت مول لینا خوشی میں گناہوں کی گندگی
اب نیکیوں کا مال کماؤ کہ عید ہے

سینے میں کینہ رکھنا اللہ کو نہیں پسند
روٹھے ہوؤں کو بڑھ کے مناؤ کہ عید ہے

وُسعت جو دی ہے رب نے، سویاں، مٹھائیاں
خود کھاؤ دوسروں کو کھلاؤ کہ عید ہے

بعدِ مہِ صیام جو غفلت کا ہیں شکار
سوئے ہوئے دلوں کو جگاؤ کہ عید ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

عید مبارک!

کل عام وانتم بخیر ...... تقبل اللہ منا و منکم صالح الأعمال

اُمید ہے آپ سب کا رمضان المبارک اچھا گزرا ہوگا اور ان شاء اللہ ہمارے حق میں خیر کا گواہ بن کر رخصت ہوا ہوگا......

رمضان المبارک کا آنا ایک عظیم خوشی ہے...... رخصت ہوتے ہوئے غم کا احساس دل میں چھوڑتا ہے لیکن عید کی مسرت اس غم کو مٹا دیتی ہے...... ”عید“ کیا ہے؟......

عید دراصل بہت سی خوشیوں کا مجموعہ ہے، ماہِ صیام کو پانے کی خوشی، قیام شب ہائے رمضان کی خوشی، نزول قرآن کی خوشی، لیلۃ القدر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزہ داروں کے لیے رحمت و بخشش اور عذاب جہنم سے نجات کی خوشی۔

الحمدللہ، الحمدللہ

اس بات کی مسرت اور خوشی کہ رمضان المبارک میں جو محنت کی، مزدوری کی مشقت اٹھائی، بھوک پیاس برداشت کی، کئی محبوب مشاغل اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں ترک کیے۔ آج ان سب کا بدلہ ملنے والا ہے اور نماز عید کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رضا مندی کا اعلان ہونے والا ہے۔ اس احساس کے ساتھ انسان خوب بنتا سنورتا ہے۔ جائز حد تک خود کو مزین کرتا ہے اور بن ٹھن کر انعام حاصل کرنے چلتا ہے۔ بس یہ ہے عید کی سچی خوشی اور اصلی خوشی......

اس کے علاوہ جو کچھ ہے لغو اور لہو ہے۔

سچی خوشی اور اصلی عید اس مومن کی ہے جس نے رمضان المبارک میں رب کو راضی کرلیا اور عید

کے دن انعام پالیا۔

مسلمان بچوں کا رمضان ان شاء اللہ اس کیفیت میں گزرا ہوگا۔ اب عید بھی اسی طرح گزاریں کہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا کوئی کام نہ ہو اور انعام والے دن غفلت کی نذر نہ ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب خوشی کا موقع ہو تو اہل ایمان اس پر خوش ہو جائیں اور جب غم کا موقع ہو تو اس پر غمی کا اظہار کریں۔

عید کا دن مسرت کا دن ہے۔ اس پر ہمیں خوش ہونا چاہیے۔ لیکن اس خوشی کے موقع پر اپنے مظلوم فلسطینی مسلمانوں کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ خاص طور پر لیلۃ الجائزہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے مناجات کریں کہ اللہ تعالیٰ ظالم و جابر دشمن کو نیست و نابود کریں۔ اہل غزہ، اہل فلسطین اور دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کے لئے ہر لمحہ فکر مند رہنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے اس سے کسی صورت غفلت نہ برتی جائے۔

ہمارے قیدی بھائی بہنیں جو دشمنوں کی قید میں ہیں انہیں بھی اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیں۔

اپنے آس پاس دیکھیں وہ لوگ جو ضرورت مند ہیں انہیں اپنی عید کی خوشیوں میں شریک کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

آپ کا بھائی جان

ابو اسامہ



اصل عید

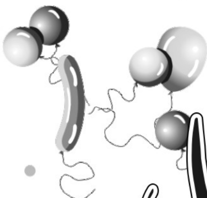
محمد ذیشان فرخ

رمضان المبارک کے آخری ایام تھے اور عید کی آمد آمد تھی۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی دوسرے بچوں کی طرح سلیم کو بھی عید الفطر کا بے تابی سے انتظار تھا۔

سلیم کی عمر بارہ سال کی تھی اور وہ ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ اس مرتبہ سلیم کو اس کے والدین نے تمام روزے رکھوائے تھے اور تمام نمازیں بھی سلیم نے باجماعت ادا کی تھیں۔

تراویح کا بھی سلیم نے بھرپور اہتمام کیا تھا اور ستائیسویں شب کو اپنی مسجد میں ختم قرآن کے موقع پر سلیم کی خوشی دیکھنے والی تھی۔ اس دن اس نے اپنے والدین سے شاباش بھی لی تھی اور اس کے ابو نے اس کو ہزار روپے انعام میں بھی دیے تھے۔

عید کی خریداری سلیم کے والدین نے رمضان شروع ہونے سے پہلے ہی مکمل کر لی تھی تا کہ رمضان کی عبادات اور دیگر معمولات میں خلل پیدا نہ ہو۔ سلیم بار بار اپنے نئے کپڑے اور جوتے نکال کر بار بار دیکھتا تھا۔ وہ بار بار اپنے کپڑوں میں سے عید کے دن کا جوڑا منتخب کرتا تھا اور پھر اس کا ارادہ دوسرے جوڑے پر بدل جاتا تھا۔ اصل میں عید پر اس کے تین جوڑے بنے تھے اور تینوں جوڑے ہی بہت خوب صورت تھے۔ اب کون سا جوڑا سلیم پہلے دن پہنے؟ اس کا انتخاب سلیم کو بڑا مشکل محسوس ہو رہا تھا۔



عید کا چاند نظر آ گیا تھا۔ سلیم بہت خوش تھا کہ صبح اسے عیدی

ملنی تھی۔مغرب کی نماز کے بعد وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلنے کودنے چلا گیا تھا۔عشاء کی اذان ہوئی تو سلیم کے ابو نے سلیم کی امی سے سلیم کا پوچھا

''سلیم ابھی تک آیا نہیں؟''

''آج تو وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مگن ہے۔کسی بات کی ہوش ہی نہیں ہے۔''امی نے ابو کو بتایا۔

''عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔کتنے افسوس کی بات ہے کہ پورا رمضان سلیم نے باجماعت پنج وقتہ نمازیں ادا کی ہیں اور اب چاند رات کو ہی غافل ہوا بیٹھا ہے۔''ابو نے افسوس کا اظہار کیا۔

سلیم کا انتظار کرتے ہوئے ابو اکیلے ہی مسجد چلے گئے۔سلیم کھیل کود کر گھر آیا تو والدین رات کے کھانے پر اس کا انتظار کر رہے تھے۔

''سلیم بیٹا! کہاں تھے آپ؟''ابو نے سلیم کو دیکھتے ہی پوچھا۔

''ابو! چاند رات کی خوشی میں تمام دوست جمع ہوئے تھے اور کھیل رہے تھے۔''

''بیٹا! عشاء کی نماز تو پڑھ لی ہو گی آپ نے اپنے دوستوں کے ساتھ؟'' سلیم کی بات پر ابو نے سلیم کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ابو! عشاء کی نماز کا دھیان نہیں رہا۔کھانا کھا کے ابھی پڑھتا ہوں۔''سلیم شرمندہ ہو گیا اور کہا۔

کھانے کے دوران خاموشی رہی۔کھانے کے بعد سلیم نے عشاء کی نماز پڑھی۔ابو اس کی نماز مکمل ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔انہوں نے سلیم سے کوئی بات کرنا تھی۔نماز مکمل ہونے کے بعد انھوں نے سلیم سے کہا۔

''بیٹا! آپ نے پورا رمضان باجماعت نماز پڑھی لیکن چاند رات کو آپ غافل ہو گئے اور آپ کے ساتھ آپ کے دوست بھی غافل ہو گئے۔

بیٹا! رمضان تو اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی تربیت کا مہینہ ہے کہ مسلمان وہ تربیت حاصل کر کے پورا سال اللہ کی رضا حاصل کرنے کا اہتمام کریں اور پھر اگلے رمضان دوبارہ تربیت حاصل کریں۔اگر مسلمان اللہ کی دی ہوئی تربیت حاصل کر کے رمضان ختم ہوتے ہی اللہ کی طرف سے لاتعلق ہو جائیں تو بیٹا! یہ بہت بری بات ہے یعنی ہم نے اللہ کی تربیت کی قدر نہیں کی اور اس تربیت کو بھلانے میں ذرا دیر نہیں لگائی۔

رمضان کے فوری بعد عید الفطر کا دن آتا ہے۔یہ وہ دن ہے کہ جس میں اللہ اپنے بندوں کو روزے رکھنے کے بدلے میں انعام عطاء فرماتے ہیں اور ان کے لیے خوشی کا سامان کرتے ہیں لیکن اس دن ہی ہم اللہ کی نافرمانی میں مصروف ہو جائیں اور اللہ کی دی ہوئی خوشی کو اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر منانے کے بجائے شیطان کے طریقے پر منانا شروع کر دیں تو بیٹا! ہماری رمضان کی عبادت اور اس میں کیے ہوئے نیک اعمال ہمارے لیے بیکار ہیں۔

بیٹا! رمضان کے طریقے کو اگر ہم نے عید کے دن جاری رکھا تو یہی اصل عید ہے کہ ہم نے اللہ کے عطاء کردہ اس خوشی کے دن کی قدر کی اور اس کی نعمت کا شکرادا کیا۔ افسوس یہ ہے کہ ہم رمضان کے فوری بعد یعنی عید کے دن ہی اللہ سے غافل ہوجاتے ہیں جو بڑی بدنصیبی کی بات ہے۔“

سلیم ابو کی بات سن کر بڑا شرمندہ ہوا لیکن وہ اپنی غلطی پر نادم بھی تھا۔اس کو عشاء کی نماز با جماعت چھوڑنے پر اب بڑا دکھ ہورہا تھا۔اس کی آنکھوں میں آنسو تھے کہ اس نے رمضان ختم ہوتے ہی اپنے رب کو بھلا دیا۔

”ابو! واقعی میں نے غلط کیا لیکن اب میرا عزم ہے کہ میں اپنے اللہ سے غافل نہیں ہوں گا اور جو تربیت میں نے رمضان میں حاصل کی ہے، اس پر پورا سال عمل کروں گا۔عید کو بھی میں اللہ کے شکر میں گزاروں گا۔

ابو! اس طرح تو میری عید ”اصل عید“ ہو گی نا؟“

سلیم کی بات سن کر ابو کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے اور انہوں نے یہ کہتے ہوئے سلیم کو گلے لگا لیا۔

”بالکل بیٹا! آپ کی عید ”اصل عید“ ہو گی۔ ان شاءاللہ!“

ابو یہ سوچ رہے تھے کہ کاش! تمام مسلمانوں میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے اور وہ رمضان کی تربیت کو عید کے دن نہ بھولیں تو اس طرح ان کی عید واقعی اصل عید ہو گی۔

☆☆☆☆☆☆

انتخاب: زینب کوثر

عورتیں اور تلاوت

پہلے زمانے میں عورتیں روٹیاں پکاتے پکاتے کئی پارے قرآن پڑھ لیا کرتی تھیں۔

جس طرح مرد عبادت کر کے اللہ رب العزت کے ساتھ تعلق حاصل کر سکتا ہے۔اسی طرح عورت بھی عبادت کر کے اللہ رب العزت کا تعلق حاصل کر سکتی ہیں۔

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے تنور پر روٹیاں پکوائیں اور ان کو سر پر رکھا اور چلتے ہوئے کہنے لگیں، اے بہن! میرے تو تین پارے مکمل ہو گئے اور میری روٹیاں بھی پک گئیں۔

تب پتہ چلا کہ عورتیں جتنی دیر روٹیاں پکنے کے انتظار میں بیٹھتی تھیں، ان کی زبان پر قرآن جاری رہتا تھا حتیٰ کہ اس دوران میں تین تین پارے قرآن کی تلاوت کرلیا کرتی تھیں۔

جیسے جیسے روزے کم ہوتے جا رہے تھے، عید کا دن قریب آتا جا رہا تھا، مگر عنادل فاطمہ کے لئے تو رمضان کا ایک ایک دن اتنا بڑا، اتنا لمبا ہوتا تھا کہ کاٹے نہیں کٹتا تھا۔

’’یا اللہ! یہ رمضان کے دن اتنے بڑے کیوں ہو جاتے ہیں؟‘‘

تحفۂ عید

انور فہد



’’ارے بیٹا! رمضان کے دن بھی اتنے ہی بڑے ہوتے ہیں، جتنے عام دنوں کے۔‘‘

یہ جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا تھا، یہ تو عنادل کے دادا جان کی آواز تھی۔ انہوں نے اس کے بڑبڑانے کی آواز سن لی تھی اور اب وہی بول رہے تھے۔

’’رمضان کے دن بڑے اور لمبے اس لئے محسوس ہوتے ہیں کہ روزے دار صبح ہی سے شام کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔‘‘

ہاں! ایسا تو ہے۔ اس نے سوچا، صبح سے ہی شام کا خیال آنے لگتا ہے اور پھر جیسے جیسے بھوک اور پیاس بڑھتی جاتی ہے، انتظار کی گھڑیاں طویل ہوتی جاتی ہیں اور افطار کے وقت تک تو بدن میں جیسے جان ہی نہیں رہتی۔ عنادل فاطمہ تو دو چار روزے ہی رکھتی تھی اور وہ بھی بڑی ضد کر کے، مگر گھر کے بڑے لوگ رمضان کے پورے روزے رکھتے تھے۔ ایک دن اس نے دادا جان سے پوچھا۔

''دادا جان! روزہ رکھ کر آپ کو بھوک پیاس نہیں لگتی؟''

''بھوک بھی لگتی ہے اور پیاس بھی۔''

''پھر کیا ضرورت ہے روزے رکھنے کی؟ ایک دو دن اپنا شوق پورا کر کے کھانا پینا شروع کر دیجئے۔''

دادا جان پہلے ہنسے پھر بولے۔

''ہم بڑے چھوٹوں کی طرح شوق پورا کرنے کیلئے روزے نہیں رکھتے۔''

''پھر کیوں رکھتے ہیں؟''

''اللہ کا حکم ہے، اس لئے رکھتے ہیں۔ اللہ کا حکم بجالانا عبادت ہے۔ نماز کی طرح روزے رکھنا بھی ہر بالغ شخص کیلئے فرض ہے۔ روزے رکھنے والوں کو ثواب اور نہ رکھنے والوں کو عذاب ملتا ہے۔''

عنادل فاطمہ سوچ میں پڑگئی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کیسا حکم ہے؟ روزے رکھوا کر بندوں کو تکلیف میں مبتلا کرنا، کیا یہ اچھی بات ہے؟ امی جان تو کہتی ہیں اللہ بڑا رحیم و کریم ہے، رحم کرنے والا ہے۔

''کیا سوچنے لگی ہو، عنادل بیٹا؟'' دادا جان نے اسے ٹوکا۔

عنادل فاطمہ نے اپنی سوچ سے دادا جان کو آگاہ کر دیا۔ دادا جان اس کی بات سن کر بولے۔

''بے شک اللہ تعالیٰ بڑے رحیم و کریم ہیں، وہ اپنے ہر بندے سے بے پناہ محبّت کرتے ہیں اور اسی محبّت کا نتیجہ ہے کہ ہر مومن مسلمان پر روزے فرض کئے ہیں۔ کوئی چاہے کتنا ہی بڑا، کتنا ہی امیر کبیر ہو، بادشاہ ہی کیوں نہ ہو، اس کے لئے روزے رکھنا لازمی قرار دیا ہے۔''

''دادا جان! جس طرح روزے رکھ کر بھوک پیاس مجھے لگتی ہے، آپ کو بھی لگتی ہوگی اور دوسروں کو بھی اسی طرح لگتی ہوگی؟ پھر اللہ تعالیٰ بھوک پیاس کی یہ تکلیف اپنے بندوں کو کیوں دیتے ہیں؟ مَیں اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچاؤں تو کیا آپ مجھے رحم دل کہیں گے؟''

''شاباش! تم نے بہت اچھا سوال کیا ہے۔ مَیں تمہارے سوال سے تمہیں جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ اگر تم مجھے کوئی تکلیف پہنچاؤ اور تمہارے ابّو تمہیں وہی تکلیف پہنچائیں، جو تم نے مجھے پہنچائی ہے تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ تم نے دادا جان کو کتنی تکلیف پہنچائی ہے، کتنا دکھ دیا ہے۔ ہے نا؟''

''جی ہاں! ایسا ہی ہوگا۔''

''بس یہی جواب ہے تمہارے اس سوال کا کہ اللہ تبارک اپنے بندوں کو بھوک پیاس کی تکلیف کیوں دیتا ہے؟ اللہ کے بہت سے بندے ایسے ہوتے ہیں، جنہیں سال بھر تک پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ کئی لوگوں کو تو دو وقت روکھی سوکھی روٹی بھی میسر نہیں ہوتی جبکہ بہت سے خوشحال لوگوں کو دنیا کی ہر نعمت حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے ہر شخص پر اس لئے فرض کئے ہیں کہ اسے احساس ہو کہ اللہ کے ایسے بھی بندے ہیں جو سال بھر تک ایسی ہی بھوک پیاس کی اذیت برداشت کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کے دل میں رحم کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ حسب توفیق ان کی مدد اور اعانت کرتے ہیں۔"

"اوہ..... یہ تو.... یہ تو...." کہتے ہوئے عنادل فاطمہ کسی خیال میں گم ہوگئی.... پھر اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اس کے بعد دادا جان کی طرف ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"دادا جان! مَیں تو ایک دو روزے رکھ کر ہی اس طرح نڈھال ہو جاتی ہوں اور وہ لوگ جو سال بھر ایسی بھوک پیاس برداشت کرتے ہیں، جنہیں ایسی تکلیف سہنا پڑتی ہے، سوچنے کی بات ہے، ان کا کیا حال ہوتا ہوگا؟"

"اب تو تمہاری سمجھ میں آگیا نا کہ روزے کا مطلب کیا ہے اور اللہ تعالیٰ اس مہینے اپنے بندوں سے روزے کیوں رکھواتے ہیں؟"

شام کو مغرب کی اذان سے کچھ پہلے عنادل فاطمہ نے اپنی دادی جان سے کہا۔

"دادا جان! آج میرے حصے کی افطاری ایک الگ پلیٹ میں دے دیں۔"

"کیوں.... کیا آج تم ہم لوگوں کے ساتھ افطار نہیں کرو گی؟"

"بھئی، دے دو نا۔" اس سے پہلے دادا جان بول پڑے۔

"یہ ہمارے ساتھ افطار کرے نہ کرے، اس کی مرضی۔"

اور دادی جان نے ایک پلیٹ میں خوب ٹھیک ٹھاک افطاری سجا کر اپنی لاڈلی پوتی کو دے دی۔ وہ کچھ دیر پلیٹ کو سامنے لئے بیٹھی رہی، پھر ایک آواز پر چونکی اور پلیٹ لے کر دروازے کی طرف لپکی۔ دروازہ کھولا تو دو غریب بچیاں پھٹے پرانے لباس میں نظر آئیں۔ عنادل نے اپنے حصے کی افطاری ان کی جھولی میں ڈال دی اور خالی پلیٹ لے کر واپس آگئی۔ اس کے چہرے پر ایسا نور تھا، جسے سب نے محسوس کیا۔

'اے ہے! مانگنے والوں ہی کو دینا تھا تو پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔" دادی جان چیخیں۔

"تاکہ دو نمبر پلیٹ تیار کرتیں۔" پوتی کے بجائے دادا جان نے جواب دیا۔

دادی جان نے دادا جان کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹا! ہم تو تقریباً روز ہی مسجد یا اڑوس پڑوس میں افطاری بھجواتے ہیں۔"

"مگر دادی جان! پڑوسیوں اور مسجد والوں سے زیادہ حقدار وہ لوگ ہیں جو بے چارے ان نعمتوں سے محروم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں روزے اسے لئے رکھواتے ہیں کہ ہم اپنے غریب بھائی

بہنوں کے دکھ درد کو سمجھیں، ان کا سہارا بنیں، ان کے کام آئیں۔"

"دادی جان نے عنادل کو کھینچ کر اپنے گلے سے لگا لیا،" اللہ تجھے نظر بد سے بچائے۔ اب تو تُو بڑی بوڑھیوں کی طرح باتیں کرنے لگی ہے۔"

اب یہ عنادل فاطمہ کا روز کا معمول بن گیا۔ وہ اپنے حصے کی افطاری، افطار کے وقت سے ذرا پہلے صدا لگانے والی دو غریب بچیوں کو دے دیا کرتی تھی اور انہیں کل پھر آنے کو کہتی۔ دونوں لڑکیوں لگ بھگ اس کی عمر اور قد کاٹھ کی تھیں۔ دونوں آپس میں بہنیں تھیں۔ جب وہ ان کو افطار دیتی تو وہ مسکرا دیتی تھیں اور ان کے چہرے پر ایک چمک سی نمودار ہوتی تھی۔ عنادل یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتی۔

دن گزرتے جارہے تھے اور عید کا دن قریب ہوتا جارہا تھا۔ ابھی عید کو سات آٹھ دن باقی تھے کہ دادی جان نے عنادل فاطمہ کے لئے ایک بہت ہی پیارا اور قیمتی عید کا جوڑا خریدا، جو عنادل سمیت سب گھر والوں کو بہت پسند آیا۔ پھر دو دن بعد اس کی امی اور اس کے ابو بھی ایسا ہی ایک قیمتی اور خوبصورت جوڑا بازار سے خرید لائے۔ عنادل کی خوشیوں کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ ہر چھوٹے بڑے کو اپنے عید کے ان جوڑوں کے بارے میں بتاتی اور اپنی ہمجولیوں اور سہیلیوں سے پوچھتی،

"تمہارا عید کا جوڑا آگیا ہے۔"

دوسروں کی طرح اس نے ان دو بہنوں سے بھی یہی سوال پوچھ لیا،" تمہارے امّی ابّو تم لوگوں کے عید کے جوڑے لے آئے؟"

"نہیں....!" اس جواب کے ساتھ ان کے چہرے بالکل مرجھا گئے تھے۔

"تو پھر کیا چاند رات کو لائیں گے؟"

"جی نہیں...."

"تو کیا تم لوگ عید کے جوڑوں کے بغیر عید منا لیتی ہو؟" اس بار دونوں نے اپنی گردن ہلا کر ہاں میں جواب دیا۔ دونوں بہنیں افطاری لے کر چلی گئیں، مگر عنادل فاطمہ دیر تک سوچتی رہی۔ اسے تعجب بھی ہو رہا تھا اور افسوس بھی۔ شاید ان کے ابّو امّی کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ یہ باتیں سوچتے ہوئے ان کا اداس چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے آجاتا اور وہ خود بھی اداس ہو جاتی۔

اور پھر عید کا دن اپنی تمام تر خوشیوں کے ساتھ آگیا۔ دادی جان کے ساتھ عنادل کی امی جان بھی تقریباً تمام رات عید کی تیاریوں میں مصروف رہی تھیں۔

فجر کی نماز پڑھ کر عنادل کی امّی نے جلدی جلدی اپنے، عنادل اور عنادل کے ابو کے جوڑے نکالنا شروع کئے، کیونکہ مردوں کو نہا دھو کر عید کی نماز پڑھنے عید گاہ جانا ہے۔ عورتیں نہا کر دھو کر گھر پر ہی نماز عید ادا کریں گی۔ پھر عنادل کی امی ایک دم پریشان ہوگئیں۔ سب کے عید کے

جوڑے تو مل گئے تھے مگر عنادل کے دونوں جوڑے نہیں مل رہے تھے۔ آخر گئے کہاں؟ رکھے تو سارے کپڑے ساتھ ہی تھے۔ وہ اس وقت اس گمشدگی کے بارے میں کسی سے پوچھ بھی نہیں سکتی تھیں۔ عنادل کے ابّو قیامت کھڑی کر دیتے۔ خود ہی چیزیں رکھتی ہو، خود ہی بھول جاتی ہو، تمہارا دل دماغ کہاں رہتا ہے؟ ہزاروں ایسی ہی باتیں سوچ کر وہ گھبراہٹ کے عالم میں الماری کے کپڑوں کو بار بار الٹ پلٹ رہی تھیں کہ گھنٹی کی مترنم آواز اچانک سنائی دی۔

''یہ اس وقت کون آگیا؟'' کہتی ہوئی وہ دروازے کی طرف لپکیں۔ عنادل کے ابّو اور دادا جان بھی دروازے کی طرف گئے کہ اتنے سویرے کون آگیا۔ دروازہ کھلا تو سامنے پھٹے پرانے کپڑوں میں ایک میاں بیوی اور ان کی دو بچیاں کھڑی تھیں۔

''ارے بھئی! اتنے سویرے تم لوگ.... دن کو آنا، ہم تمہارا حصہ تمہیں ضرور دیں گے۔'' دادا جان نے نرم لہجے میں کہا۔

''صاحب جی! ہم اس وقت کچھ لینے نہیں دینے آئے ہیں۔''

''دینے آئے ہیں؟'' کسی کی سمجھ میں ان کی یہ بات نہیں آئی۔ آنے والے مرد نے ایک پیکٹ نکال کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، ''یہ آپ کی بچی کے عید کے جوڑے ہیں، جو اس نیک دل بچی نے کل شام کو ہماری بچیوں کو دیئے تھے۔ صبح ہمیں ان جوڑوں کے بارے میں معلوم ہوا تو ہم انہیں لوٹانے آئے ہیں کہ اس بچی نے یقیناً آپ لوگوں سے پوچھے بغیر....'' عنادل کی امی کے چہرے پر ایک دم رونق آگئی تھی اور وہ اپنا ہاتھ آگے بڑھانے ہی والی تھیں کہ دادا جان بول پڑے۔

''محبّت اور خلوص سے دیا ہوا تحفہ لوٹایا نہیں جاتا۔ آپ لوگ اسے قبول نہیں کریں گے تو ہماری پوتی عنادل فاطمہ کا دل ٹوٹ جائے گا۔''

پھر ایک لمحہ رک کر انہوں نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ہماری طرف سے دونوں بچیوں کی عیدی''

☆☆☆☆☆☆



جنتی چھ نشانیاں

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص کے اندر چھ خصلتیں پائی جائیں وہ جنتی ہے۔

(۱) اللہ کو پہچان کر اطاعت کرنا (۲) شیطان کو پہچان کر اُس کی نافرمانی کرنا (۳) حق کو پہچان کر اتباع کرنا (۴) باطل کو پہچان کر پرہیز کرنا (۵) دنیا کو پہچان کر چھوڑ دینا (۶) آخرت کو پہچان کر طلب کرنا۔

انتخاب: عمیر اکمل

جب بادل گرجا



خالدہ صدیق

آج یہ حالت ہے کہ کوئی کام ایسا نہیں جو بجلی نہ کر سکتی ہو۔ یہ ایک نہایت فرمانبردار خادمہ کی طرح ہر وقت حکم کی منتظر رہتی ہے۔ جونہی بٹن دباتے ہیں یہ کام پر لگ جاتی ہے اور کام بھی ہر قسم کا کرتی ہے۔ رات کی تاریکی کو دور کر کے ہمارے کمرے روشن کرتی ہے۔ ہمیں گرمی سے بچانے کے لیے پنکھے چلاتی ہے۔

ہمارے کمرے کو ہماری خواہش کے مطابق گرم یا سرد کرتی ہے۔ گھنٹیاں بجاتی ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک لمحے میں پیغام پہنچاتی ہے۔ مغربی ملکوں میں تو بجلی سے اور بھی بیسیوں کام لیے جاتے ہیں۔ کپڑے دھونے، نچوڑنے اور استری کرنے کے لیے بجلی کے آلات استعمال ہوتے ہیں۔ گھر کے فرنیچر، دریوں اور قالینوں کو بجلی کے جھاڑو سے صاف کیا جاتا ہے۔ کھانا بجلی کی انگیٹھیوں پر پکایا جاتا ہے۔ جہاز، ریل گاڑیاں اور موٹریں بجلی کی مدد سے چلتی ہیں۔ ایک منزل سے دوسری تک اُترنے چڑھنے کے لیے بجلی کی سیڑھیاں استعمال کی جاتی ہیں جنہیں لفٹ کہتے ہیں۔ ایک انچ کے دس ہزارویں حصے کی پیمائش بجلی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔

ریڈیو اور بے تار برقی بھی بجلی ہی کے کرشمے ہیں۔ دو آدمی جبکہ ان کے درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ ہو، ایک دوسرے سے بات کر سکتے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھ بھی سکتے ہیں۔ بے تار برقی کے ذریعے تصویریں بھی ہر جگہ بھیجی جا سکتی ہیں۔ سینما اور ایکس رے بھی بجلی سے ہی کام کرتے ہیں۔

بجلی کوئی مادی شے نہیں بلکہ حرارت کی طرح ایک قوت یا اثر کا نام ہے۔ اس کا نام ایک یونانی

لفظ سے لیا گیا ہے جس کے معنی عنبر کے ہیں یونانیوں کو معلوم تھا کہ عنبر کو جب رگڑا جائے تو ہلکی چیزیں مثلاً تنکے اور بھوسہ اس کی طرف کھنچتے ہیں۔ عنبر کے علاوہ مقناطیسی لوہے کا بھی لوگوں کو علم تھا۔ اس میں لوہے کو کھینچنے کی ویسی ہی قوت دیکھی گئی تھی۔

آہستہ آہستہ سائنس دانوں نے مزید مشاہدے شروع کیے اور بجلی کے متعلق ہمارا علم بڑھنے لگا۔ اگرچہ بجلی اور اس کی پراسرار خاصیتیں ابھی تک سائنس دانوں کے لیے محض دل بہلانے کی چیزیں تھیں سنجیدہ مزاج سائنس دانوں کے لیے دل بہلاوے ہی وہ بنیادیں ہوتی ہیں جن پر سائنس کی تعمیر ہوتی ہے۔

ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ تمام اشیاء مام جنہیں ہم ٹھوس جانتے ہیں دراصل ٹھوس بالکل نہیں ہیں بلکہ انہیں ایسے چھوٹے چھوٹے ذرات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جن کی اپنی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ صرف مثبت اور منفی بجلی کے ذخیرے ہیں۔ ہر ایک چیز کی نوعیت کا انحصار بجلی کے ان ذخیروں کی ترتیب و تعداد پر ہوتا ہے۔

جس مادے میں یہ ذخیرے بہت کثرت سے ہوں، اس میں سے بجلی بآسانی گزر سکتی ہے۔ تانبا بجلی کے گزرنے کے لیے بہترین مادہ ہے۔ اسی لیے بجلی کے تمام تار تانبے کے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ربڑ، لکڑی اور چینی مٹی جیسے مادے بجلی گزارنے کے لیے اتنے کمزور ہیں کہ ان کا استعمال بطور بجلی روکنے کے آلات کے ہوتا ہے۔

ربڑ کے تلووے والے جوتے پہن کر بجلی کے تار پر کھڑے ہو جائیں تو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض مادے مثلاً کاربن کوئلے کی قسم بجلی گزارنے کے لیے اتنے کمزور ہیں کہ بجلی کی رو جب ان میں سے گزرتی ہے تو وہ بہت مزاحمت کرتے ہیں اور گرمی سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ بجلی کا روشنی دینے والا بلب اسی اصول پر بنایا گیا ہے۔

بجلی کی رو دو طریقوں سے پیدا کی جاتی ہے۔ رگڑ سے اور کیمیائی عمل ہے۔ اگر شیشے کی ایک سلاخ کو ریشم کے کپڑے سے رگڑ کر کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے قریب لے جایا جائے تو ٹکڑے اس سلاخ سے چمٹ جائیں گے۔ اسی طرح گھاس کے تنکے بھی چمٹ جاتے ہیں اور پھر گر پڑتے ہیں۔ اس رگڑ سے شیشے کی سلاخ میں بجلی کی ہلکی سی رو پیدا ہو جاتی ہے۔

بڑے بڑے کارخانوں میں انجنوں کے ذریعے وسیع پیمانے پر بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ بعض مقامات پر اس سلسلے میں پانی کی تیز روانی سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ یہ پانی بجلی پیدا کرنے والی مشینوں کو چلاتا ہے۔ بالکل اسی طرح پن چکیاں پانی کی مدد سے چلتی ہیں۔ ان مشینوں سے بہت بڑی مقدار میں بجلی پیدا ہوتی ہے۔

برسات کے موسم میں جب آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہوتے ہیں تو بھی .بھی بجلی کوندتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔یہ آسمانی بجلی اور رگڑ ہے : سے پیدا ہونے والی بجلی دونوں ایک ہی ہیں۔ کرہ ہوائی کے پشت و بلند مقامات پر ہر وقت کم و بیش موجود رہتی ہے۔

آبی بخارات میں بجلی موجود ہے۔ برسات میں چونکہ فضا میں آبی بخارات بہت زیادہ مقدار میں ہوتے ہیں۔اس لیے بجلی زیادہ جمع ہو جاتی ہے۔ بادلوں میں مثبت اور منفی دونوں قسم کی قوتیں جمع ہوتی ہیں جو ایک دوسرے کو نہایت تیزی سے اپنی طرف کھینچتی ہیں۔چونکہ یہ کشش کا عمل نہایت تیزی سے ہوتا ہے اس لیے بادلوں کے درمیان کی ہوا نہایت زور سے رگڑی اور دالی جاتی ہے۔

رگڑ سے اس میں حرارت پیدا ہوتی ہے اور حرارت کی تیزی سے چمک، جسے ہم بجلی کوندنا کہتے ہیں اور جب ہوا دیتی یا پچپکتی ہے تو اس سے آواز پیدا ہوتی ہے جسے ہم بادل کا گرجنا کہتے ہیں۔ یہ چمک اور گرج ایک ہی وقت میں پیدا ہوتی ہے۔

مگر چونکہ آواز کی رفتار روشنی کی رفتار سے خاصی کم ہے اس لیے ہمیں گرج ہمیشہ چمک سے تھوڑی دیر بعد سنائی دیتی ہے۔مقناطیس بھی بجلی کی قسم کی طاقت ہے۔ایک خاص قسم کے معدنی پتھر میں یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ وہ لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

پہلے یہ پتھر ایشیائے کوچک کے مقام مقنیطہ میں بکثرت دستیاب ہوتا تھا۔غالباً اسی وجہ سے اس کا نام مقناطیس رکھ دیا گیا۔

اس پتھر کے ساتھ اگر لوہے کو رگڑا جائے تو اس میں مقناطیسی خواص پیدا ہو جاتے ہیں۔اس کے علاوہ لوہے میں بجلی کی رو جاری کرنے سے بھی اس میں مقناطیسی خواص پیدا ہو سکتے ہیں۔

زمین کے قطبوں میں مقناطیسی قوت بہت جمع ہے اگر ایک مقناطیسی خواص رکھنے والی سوئی کو کسی ڈاٹ (کارک) میں آر پار چھو کر اس کر اس ڈاٹ کو پانی سے بھری ہوئی طشتری میں تیراؤ تو معلوم ہوگا کہ اس سوئی کے سرے شمالاً جنوباً رہتے ہیں۔

اگر ڈاٹ کو مختلف سمتوں میں گھما کر چھوڑ دیا جائے تو بھی گھوم گھما کر سوئی شان جنوبار پر تھے گی۔ قطب نما اس اصول پر بنایا گیا ہے۔اس آلے میں ایک نازک سی سوئی ایک نوک پر تیرتی ہے۔ اس سوئی میں بنایا مقناطیسی اثر ہوتا ہے اور اس کے دونوں سرے ہمیشہ شمالاً جنوباً رہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆



تل پترا کا شہید

اُمِّ محمد عبداللہ

"حمزہ، کیا دیکھ رہے ہو؟" عبید نے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظریں جمائے اپنے دوست کو مخاطب کیا

"یہ مقبوضہ کشمیر کے علاقے اڑی میں تل پترا کی پہاڑی ہے،" حمزہ نے سنجیدگی سے جواب دیا

"تو......؟" عبید نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا

"یہ وہی پہاڑی ہے جہاں 27 جولائی 1948 کو کیپٹن محمد سرور نے جرات و بہادری کی وہ لازوال داستان رقم کی، جو ہمیشہ کے لیے تاریخ کا حصہ بن گئی۔" حمزہ نے گہری سانس لی اور گویا ہوا عبید کی آنکھوں میں تجسس اور جذبہ بیدار ہو چکا تھا۔ "ہاں! وہی کیپٹن سرور شہید، جنہیں سب سے پہلے نشانِ حیدر کا اعزاز ملا،" وہ بولا

حمزہ نے نظریں اسکرین سے ہٹا کر عبید کی طرف موڑیں اور گویا ہوا:

"1947ء میں جب بھارتی فوج سری نگر میں داخل ہوئی، تو ان کا ارادہ کشمیر پر مکمل قبضہ کرنا تھا۔ پاکستانی فوج کے جوان ان کے سامنے دیوار بن کر کھڑے تھے۔ انہی دنوں کیپٹن سرور راولپنڈی میں ایک کورس کر رہے تھے، لیکن دل محاذ پر تھا۔ انہوں نے فوراً درخواست دی کہ میں میدانِ جنگ میں جانا چاہتا ہوں۔"

"اور پھر......؟" عبید نے بے چینی سے پوچھا

"یہ رمضان کا مہینہ تھا، کیپٹن سرور کو اجازت مل گئی۔ جانے سے پہلے وہ مسجد میں گئے اور امام صاحب سے دعا کروائی، دعا کریں کہ مجھے شہادت نصیب ہو۔

جب وہ محاذ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ بھارتی فوج نے ایک بلند چوٹی پر اپنی چوکی قائم کر رکھی ہے، جس کا نام تل پترا ہے۔ پاکستانی کمانڈر نے کہا کہ اگر یہ چوکی سر کر لی جائے، تو جنگ کا پانسہ پلٹ سکتا ہے۔ لیکن یہ ایک نہایت خطرناک مہم تھی"

"پھر کیا ہوا؟" عبید کی آواز میں بے تابی تھی

"کمانڈر نے رضا کار مانگے، اور سب سے پہلے کیپٹن سرور آگے بڑھے۔" حمزہ کے لہجے میں فخر تھا۔

"27 جولائی، 20 رمضان کی رات، وہ چھ ساتھیوں کے ہمراہ دشمن کی چوکی کی طرف بڑھے۔ تل پترا کی بلند پہاڑی پر چڑھنا آسان نہ تھا لیکن ان کے قدم نہیں رُکے۔ جیسے ہی وہ چوٹی کے قریب پہنچے، دشمن نے انہیں دیکھ لیا اور فائرنگ شروع کر دی۔"

عبید دم سادھے سن رہا تھا۔

"ایک گولی کیپٹن سرور کے کندھے پر لگی، ان کے ساتھی فرمان علی شہید ہو گئے، لیکن وہ رکے نہیں۔ انہوں نے اپنے ساتھی کی گن اُٹھائی اور آگے بڑھتے رہے۔ خاردار تاروں نے راستہ روک رکھا تھا لیکن کیپٹن سرور زخمی حالت میں بھی انہیں کاٹنے لگے۔ جیسے ہی راستہ صاف ہوا، انہوں نے اپنے جوانوں کو آواز دی، راستہ کھل گیا، بڑھو! پاکستانی فوج بجلی کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن پسپا ہو گیا لیکن کیپٹن سرور کی سانسیں تھم رہی تھیں۔ ان کا جسم گولیوں سے چھلنی تھا، خون تیزی سے بہہ رہا تھا، لیکن ان کے چہرے پر اطمینان تھا۔ ان کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں، اور پھر انہوں نے جامِ شہادت نوش کر لیا۔"

"اللہ اکبر!" عبید کی آنکھیں نم ہو گئیں

"ان کی قبر نو ہزار فٹ بلند اسی تل پترا کی چوٹی پر ہے، جہاں انہوں نے جان دی۔ ان کی یادگار اگرچہ سنگھوڑی میں ہے، لیکن وہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ایک شہید کی زندگی جی رہے ہیں، جس کا ہمیں ادراک نہیں۔" حمزہ نے آہستہ سے کہا۔

چند لمحوں کے لیے دونوں دوست خاموش رہے۔ پھر عبید نے گہری سانس لی اور بولا:

"ہمیں اس قربانی کو صرف یاد نہیں کرنا بلکہ اس سے سبق لینا ہے۔ کشمیر آج بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ ہمیں کیپٹن سرور شہید کے اس مشن کو مکمل کرنے کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا ہو گا۔ قلمی، عسکری، سفارتی، میڈیا غرض ہر سطح پر کشمیر کی آزادی کے لیے جدوجہد کرنا ہمارا فرض ہے۔

کشمیری مسلمانوں کے معصوم چہرے آج بھی اُمید بھری نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ اب وقت ہے کہ ہم بھی کیپٹن سرور شہید جیسے ولولے کے ساتھ اپنی ذمہ داری نبھائیں، تاکہ ایک دن وہ سورج طلوع ہو جس کی روشنی میں کشمیر بھی آزاد فضا میں سانس لے سکے۔ آمین ثم آمین

رات گہری ہو رہی تھی، لیکن ان دونوں کے دل میں جلنے والے عزم کے چراغ کی لو تیز ہو رہی تھی۔

عید کا سچا رنگ

محمد حذیفہ عبدالباری

خواہشوں کے دیے

رمضان کے آخری دن تھے اور گلی کوچے روشنیوں سے جگمگا رہے تھے۔

بازاروں میں خوب چہل پہل تھی، ہر دکان رنگ برنگی چیزوں سے سجی ہوئی تھی۔ بچے کھلونوں اور کپڑوں کی خریداری میں مصروف تھے، خواتین چوڑیاں اور مہندی پسند کر رہی تھیں، اور ہر طرف خوشیوں کا سماں تھا۔



بارہ سالہ احمد ایک گلی کے نکڑ پر کھڑا حسرت بھری نظروں سے ان بچوں کو دیکھ رہا تھا جو خوشی سے نئے کپڑے پہن کر خوشیاں منا رہے تھے۔

اس کے دل میں بھی ایک خواہش تھی کہ وہ بھی نئے کپڑے پہنے، جوتے خریدے، اور عیدی لے کر بازار جائے، مگر وہ جانتا تھا کہ اس کے گھر کے حالات اس کی اجازت نہیں دیتے۔

اس کے والد، رحمت چچا، ایک درزی تھے اور ایک چھوٹی سی دکان چلاتے تھے، لیکن کچھ مہینے پہلے ان کی طبیعت خراب ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے کام ٹھپ ہوگیا تھا۔



احمد کی ماں سلائی کر کے گھر چلاتی تھی، لیکن اتنے پیسے کہاں کہ وہ عید کی خوشیاں منا سکیں؟ اس رات، جب احمد بستر پر لیٹا، تو اس نے چاند کو دیکھتے ہوئے دعاء کی، یا اللہ! میرے ماں باپ کو صحت دے اور ہمیں بھی عید کی خوشیاں نصیب کر!

اُمید کی کرن

عید سے ایک دن پہلے، احمد کی ماں نے اسے بلایا، بیٹا، آج بازار جا کر سبزی اور کچھ ضروری سامان لے آؤ۔

احمد خوش ہو کر بازار گیا، لیکن واپسی پر راستے میں اس نے ایک غریب خاتون اور اس کے دو بچوں کو دیکھا جو فٹ پاتھ پر بیٹھے تھے۔

ان کے چہرے زرد تھے اور آنکھوں میں بھوک کی چمک تھی۔ احمد کچھ دیر کے لیے رکا، پھر اس نے اپنے تھیلے میں سے آدھی روٹیاں نکال کر ان بچوں کو دے دیں۔

خاتون کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، بیٹا، تمہارا بھلا ہو! اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے! احمد مسکرا دیا اور گھر واپس آ گیا لیکن اس کے دل میں ایک عجب سی خوشی تھی، جیسے اس نے کچھ بہت قیمتی پا لیا ہو۔

دُعاء کی قبولیت

عید کی صبح، احمد نے اپنے پرانے مگر صاف ستھرے کپڑے پہنے اور مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کا دل اداس تھا، مگر وہ جانتا تھا کہ عید صرف نئے کپڑوں کا نام نہیں، بلکہ خوشیاں بانٹنے کا دن ہے۔

نماز کے بعد، جب وہ باہر آیا، تو اس کی نظر ایک امیر آدمی پر پڑی جو اپنے بیٹے کے ساتھ کھڑا تھا۔

وہ آدمی اپنے بچے کو کچھ سمجھا رہا تھا، بیٹا، اصل خوشی دوسروں کو دینے میں ہے۔

احمد کے قریب آتے ہی اس آدمی نے مسکرا کر اسے بلایا، بیٹا، تمہارا نام کیا ہے؟ جی، احمد! اس نے ادب سے جواب دیا۔

میں نے تمہیں کل دیکھا تھا جب تم نے ان بچوں کو کھانا دیا تھا۔ تمہارا دل بہت بڑا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ تم بھی اس عید کو خاص بناؤ! یہ کہہ کر اس آدمی نے ایک شاپنگ بیگ احمد کے ہاتھ میں تھما دیا احمد نے حیرانی سے بیگ کھولا تو اندر نئے کپڑے، جوتے اور کچھ نقدی موجود تھی! احمد کی آنکھیں خوشی سے بھیگ گئیں۔

اس نے فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے، یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے میری دعا قبول کر لی!

عید کا اصل رنگ

جب احمد گھر پہنچا، تو اس کی ماں اور ابو حیران رہ گئے۔ احمد نے سب کچھ انہیں بتایا، تو ان کے چہرے پر فخر اور خوشی کے رنگ بکھر گئے۔

دیکھا بیٹا! جب ہم دوسروں کی مدد کرتے ہیں، تو اللہ ہماری مدد کرتا ہے! ماں نے محبت سے احمد کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

اس دن، احمد نے اپنے نئے کپڑے پہنے، مگر اس نے ایک فیصلہ کیا۔ وہ دوبارہ اس خاتون کے پاس گیا جن کے بچوں کو اس نے کل کھانا دیا تھا، اور ان کے لیے بھی کچھ مٹھائی اور کپڑے لے کر آیا۔

جب ان بچوں نے خوشی سے وہ چیزیں لیں، تو احمد کے دل میں ایک عجیب سی خوشی محسوس ہوئی، ایک ایسی خوشی جو کسی بھی نئے کپڑے یا جوتے سے زیادہ قیمتی تھی۔

یہ عید، احمد کے لیے سب سے یادگار عید بن گئی، کیونکہ اس نے سیکھا کہ اصل خوشی صرف لینے میں نہیں، بلکہ دینے میں ہے۔

Tarteel
AI for Perfecting Quran Recitation

الباحث القرآني

مکتبہ شاملہ اردو

مجموعہ تفاسیر

شاندار اسلامی ایپس

حافظہ اقراء رفیق

کاغذ کی بڑھتی ہوئی قیمتوں سے سے دینی کتب بھی مہنگی ہوگئی ہیں لیکن الحمدللہ قرآن وحدیث کے شائقین کیلئے مخلصین لوگوں نے بہت اچھی کاوشیں کی ہیں اور سینکڑوں ویب سائٹس کے ساتھ ساتھ ایسی لاتعداد ایپس بھی بنادی ہیں جو بڑی حد تک ایک دینی طالب علم اور عام آدمی کو مہنگی کتابوں کو خریدنے اور ان کو سنبھالنے کے جھنجھٹ سے آزاد کردیتا ہے۔

آج ہم ایسی ہی چند ایپس کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ ایپس ایسی ہیں جو عام طالب علم کے ساتھ ساتھ عوام کیلئے فائدہ مند ہیں جبکہ کچھ ایپس صرف ایسے افراد استعمال کرسکتے ہیں جن کو عربی زبان پر اچھا عبور ہو اور وہ بنیادی دینی علوم سے بہرہ مند ہوں۔

(۱) اسلام ون (IslamOne)

قرآن اور حدیث کے بنیادی علم کیلئے یہ ایک بہترین اور شاندار ایپ ہے۔ استعمال انتہائی آسان ہے اور بغیر نیٹ کے بھی شاندار انداز میں چلتی ہے۔ اس میں حدیث کی مستند کتب تراجم کے ساتھ موجود ہیں، قرآن مجید کے تلاوت، مختلف تراجم اور تفاسیر بھی موجود ہیں۔ فونٹ انتہائی اعلیٰ ہے جس سے بہت لطف آتا ہے۔ سیرت النبی پر اور صحابہ کرام کی زندگی پر بہت عمدہ مواد موجود ہے، دعائیں اور مسنون اذکار موجود ہیں، ایک عام مسلمان کی ڈیلی لائف کیلئے یہ شاندار ایپ ہے۔

(۲) مجموعہ تفاسیر (Tafseer One)

یہ ایپ بھی، اسلام ون والوں نے ہی بنائی

ہے اور اس میں تیس معروف تفاسیر کو جمع کر دیا گیا ہے جس میں اردو اور انگریزی تفاسیر بھی شامل ہیں، وہ طلبہ جنہیں تفسیر سے شغف ہو، وہ اس سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ باقی اس کا استعمال بھی بہت آسان اور سہل ہے۔

(۳) ترتیل (Tarteel)

وہ لوگ جو قرآن مجید کا کچھ حصہ یاد کرنا چاہتے ہیں، اس کیلئے یہ ایپ بہت ہی شاندار ہے۔ بہترین مصحف موجود ہے اور نامور قراء کی تلاوتیں ڈاؤنلوڈ کی جا سکتی ہیں، ایک ایک آیت کو لاک کر کے لامحدود مرتبہ سنا جا سکتا ہے۔ اس کا ایک پریمیم ورژن بھی ہے جو پیسے خرچ کرنے سے ملے گا جس میں مصنوعی ذہانت سے حفظ کیلئے مزید آسانی مل سکتی ہے لیکن فری ورژن بھی بہت شاندار ہے۔

(۴) جامعۃ الکتب التسعہ

جن طلبہ یا علمائے کرام ترجمے کے بجائے احادیث کی مستند عربی کتب اور ان کی شروح کا براہ راست مطالعہ کرنا چاہئے، ان کیلئے یہ ایک شاندار ایپ ہے۔ یہاں موضوعات کے حساب سے بھی احادیث مل جاتی ہیں جبکہ ایک حدیث کے الفاظ دیگر کون سی کتب میں کہاں موجود ہیں وہ بھی با آسانی ایک کلک پر مل جاتے ہیں۔ سب سے بڑی خوبی ہے کہ بغیر انٹرنیٹ کے بھی اس سے استفادہ آسان ہے۔ فونٹس تو کمال کے ہیں اور استعمال بھی بہت آسان ہے۔

(۵) الباحث القرآنی

جو طلبہ اور علمائے کرام قدیم اور جدید مستند تفاسیر کو عربی میں پڑھنے کے خواہشمند ہیں اور ساتھ ہی عربی لغات بھی دیکھنا چاہتے ہیں، ان کیلئے یہ سب سے بہترین ایپ ہے، شاندار فونٹس ہیں اور بہت ہی آسان طریقہ استعمال ہے۔ بس ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس ایپ کو صرف انٹرنیٹ کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے اور بغیر نیٹ کے یہ کام نہیں کرتی ہے۔

(۶) المکتبۃ الشاملہ

عربی دینی کتب کے حوالے سے مکتبہ شاملہ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے، تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، بلاغت سمیت ہر دینی عنوان کے تحت اس ایپ میں ہزاروں کتب موجود ہیں۔ اس کی ویب سائٹ بھی ہے، سافٹ ویئر بھی ہے اور ایک ایپ بھی ہے۔ اوپر ذکر کی گئی ایپس کے مقابلے میں اس ایپ کا استعمال تھوڑا سا سیکھنا پڑتا ہے اور عام بندے کیلئے اس کے استعمال میں کچھ مسائل ہو سکتے ہیں لیکن جو لوگ دینی علوم کو سیکھنے سے وابستہ ہیں وہ اس سے مستغنی نہیں رہ سکتے۔ یہ ایپ عوام کیلئے نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆

حدیث کہانی



مسافر خانہ

محمد فیصل علی

قسط: 17

سدیس اپنے گھر کے سامنے لگے باغیچے میں کھیل رہا تھا۔اچانک اس نے ٹھک ٹھک کی آواز سنی۔اس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک بوڑھا چلا آرہا تھا۔وہ اپنی بھاری بھر کم لاٹھی اٹھا کر نیچے ٹیکتا تھا اور اس سے ٹھک ٹھک کی آواز پیدا ہو رہی تھی۔بوڑھا اب باغیچے کے قریب پہنچ چکا تھا۔اس نے ایک لمحے کے لیے رک کر کمر سیدھی کی جیسے سستانے کا ارادہ ہو اور پھر وہ وہاں بیٹھ گیا۔اس نے دائیں بائیں دیکھا،سدیس کے گھر کو دیکھا اور بولا:

کیا نام ہے تمھارا؟

سدیس!

ماشاءاللہ،کیا کرتے ہو؟

جی میں پڑھتا ہوں۔

اچھا سدیس میاں!کیا میں آج کی رات اس مسافر خانے میں گزار سکتا ہوں؟بوڑھے نے سدیس کے گھر کی طرف اشارہ کیا تھا۔

نہیں دادا جان یہ مسافر خانہ یا سرائے تھوڑی ہے۔یہ تو ہمارا گھر ہے۔سدیس مسکرایا۔

وہ بوڑھا اس کی بات سن کر مسکرا دیا پھر کہنے لگا:

یہ مکان کس نے بنوایا تھا؟

میرے دادا جان مرحوم نے۔سدیس کے منہ سے مرحوم نکلا اور وہ چونک پڑا۔ادھر وہ بوڑھا مسکرایا۔

مرحوم،یعنی وہ چلے گئے اس مسافر خانے سے۔

بوڑھا عجیب سے لہجے میں بولا۔

جی!سدیس کے منہ سے دکھ بھرے لہجے میں بس جی ہی نکلا۔

اس کے بعد یہ مکان کس کا ہوا؟

بوڑھے نے پوچھا۔

میرے ابو جی کا۔سدیس نے فوراً کہا۔

اللہ تعالیٰ تمھارے ابو کو تا دیر سلامت رکھے مگر موت ایک اٹل حقیقت ہے،ان کے بعد یہ مکان کس کا ہوگا؟بوڑھے نے اٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

پھر یہ میرا ہوگا۔سدیس بولا

بوڑھا دھیرے سے مسکرایا اور لاٹھی ٹیکتا ہوا

آگے بڑھنے لگا، ساتھ ہی ساتھ وہ کہتا جا رہا تھا:

یہ بچہ ابھی بھی کہتا ہے کہ یہ مسافر خانہ یا سرائے نہیں ہے، ارے بھئی یہ مسافر خانہ ہی ہے۔

سدیس اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

چند دنوں بعد جب وہ اپنے سکول میں ایک حدیث مبارکہ پڑھ رہا تھا تو اسے بوڑھے والا واقعہ یاد آگیا۔

اس نے وہ واقعہ اپنے استاد صاحب کو بھی سنایا۔ استاد صاحب بولے:

واقعی یہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے۔ اس بوڑھے بزرگ نے یہ بات فکر آخرت کے تناظر میں کی تھی

بچو! سدیس نے جو حدیث مبارکہ پڑھی تھی، وہ یہ تھی:

ما انا في الدنيا إلا كراكب استظل تحت شجرة ثم راح وتركها (ترمذی، کتاب الزہد، رقم: 2377)

ترجمہ: میں اس دنیا میں ایسے ہوں جیسے ایک سوار ہو جو ایک درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لیے بیٹھے، پھر وہاں سے کوچ کر جائے اور درخت کو اسی جگہ چھوڑ دے۔

آپ بھی اس حدیث کو یاد کر لیجیے۔

☆☆☆☆☆☆

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعتماد یافتہ صحابی

انتخاب: عبدالہادی عدنان

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ تشریف لے گئے تو نظروں کے سامنے بیت اللہ شریف تھا، جس کے طواف کی حسرت میں سب مسلمان آئے تھے۔ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے البتہ اگر تم چاہو تو عمرہ کر سکتے ہو...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے آقا تو عمرہ نہ کریں اور میں کر لوں اور پھر مقام حدیبیہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! عثمان کس قدر خوش قسمت ہے کہ سب سے پہلے حرم کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔

یہ خیال سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں جب تک میں طواف نہ کر لوں، عثمان رضی اللہ عنہ بھی نہیں کریں گے۔

ابوشفاء

راز سربستہ



گھوڑے

جاہلیت میں عربوں کو گھوڑوں سے بہت زیادہ شغف تھا۔ وہ گھوڑوں کو اپنی اولاد پر فضیلت دیتے تھے۔ جس شخص کے پاس گھوڑا نہ ہوتا تو اسے قوم طعنے دیا کرتی تھی۔ عربوں کے معروف شاعر عنترہ نے ایک عرب قبیلے کو اپنے اشعار میں طعنہ دیا کہ تم کیسی قوم ہو جو گھوڑوں کو اہمیت نہیں دیتی۔

عربوں کے شرفاء اور قبیلوں کے سردار گھوڑوں کی خدمت خود کیا کرتے تھے۔ وہ یہ کام خدام اور غلاموں سے نہیں لیتے تھے۔ عربوں کے حکماء کہا کرتے تھے کہ قبیلوں کے سردار اور شرفاء کے لئے 3 کام کرنے میں عار نہیں:

”والد، مہمان اور گھوڑے کی خدمت۔“

گھڑسواری اور دوڑ کے مقابلوں میں شرکت قابل فخر ہوا کرتی تھی۔ اس سلسلے میں وہ اپنے کارناموں کو اشعار میں ڈھالتے اور عکاظ جیسے بڑے میلوں میں ان اشعار کو دہرایا کرتے اور فخر کیا کرتے تھے۔

اسلام نے بھی گھوڑوں کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے پالنے کی ترغیب دی۔ گھوڑوں کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھائی ہے۔

”قسم ہے ان (گھوڑوں) کی جو پھنکارے مارتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر (اپنی ٹاپوں سے) چنگاریاں جھاڑتے ہیں۔“ (العادیات: 1، 2)

عربوں کی گھوڑوں سے محبت کی وجہ سے ہی قرآن مجید میں حُبّ دنیا کی مثال اس طرح دی گئی:

''لوگوں کے لئے مرغوباتِ نفس، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوشنما بنا دی گئی ہیں مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں، حقیقت میں جو بہتر ٹھکانہ ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔'' (آل عمران 14)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی گھوڑوں کی تکریم میں فرمایا:

''جس نے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے گھوڑا پالا، اسے روزہ دار کے مثل اجر ملے گا اور جس نے گھوڑے کو کھلانے، پلانے اور پالنے پر خرچ کیا تو اس کا خرچ صدقہ شمار کیا جائے گا۔''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

''بھلائی گھوڑوں کی پیشانی پر تا قیامت ثبت رہے گی''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑوں کی تذلیل و تحقیر کرنے سے سختی سے منع فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑوں کی دم کاٹنے سے، خصی کرنے سے اور پیشانی کے بال کاٹنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گھوڑے کی فطرت میں اِترانا شامل ہے۔ ایسا کرنے سے اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں معروف ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل عکاظ میلے میں گھوڑوں کی دوڑ میں شامل ہوتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ قریش کے بہترین گھڑ سواروں میں تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی قد و قامت کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر اچھل کر اور جم کر بیٹھتے، سواری پر بیٹھتے تو پاؤں زمین سے ٹکراتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ عربوں نے جس طرح اپنی نسل اور نسب کا خیال رکھا، اسی قدر گھوڑوں کی نسب و نسل کا بھی خیال رکھا۔ عربوں میں معروف ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پہلے شخص تھے جو گھوڑے پر سوار ہوئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ہمیں ملتا ہے کہ آپ کو گھوڑوں سے خاص شغف تھا۔ آپ علیہ السلام کے پاس ایک ہزار گھوڑے تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو ورثے میں ملے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام فرمایا کرتے تھے:

''مجھے میرے والد سے ورثے میں عزیز

ترین مال یہی گھوڑے ملے ہیں۔"

دیگر متعدد روایتوں میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ان کے گھوڑے پیش کیے گئے تو ان میں اتنے محو ہو گئے کہ اللہ کی یاد سے غافل ہو گئے۔

قرآن مجید میں اس بات کی طرف اشارہ ہے:

"قابل ذکر ہے وہ موقع جب شام کے وقت اس کے سامنے خوب سدھے ہوئے تیز رو گھوڑے پیش کیے گئے تو اس نے کہا کہ میں نے اس مال کی محبت اپنے رب کی یاد کی وجہ سے اختیار کی ہے، یہاں تک کہ جب وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو (اس نے حکم دیا کہ) انہیں میرے پاس واپس لاؤ، پھر لگا ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے۔" (ص 33-31)

گھوڑوں کا شغف رکھنے والے جانتے ہیں کہ دنیا میں مختلف نسل کے گھوڑوں کی اپنی اہمیت ہے مگر عربی النسل گھوڑا دنیا بھر میں اپنا مقام رکھتا ہے۔ یہ خالص النسل گھوڑا بھی ماہرین کے نزدیک کئی درجے رکھتا ہے۔

گھوڑے کے بارے میں چند حیرت انگیز انکشافات

☆ گھوڑا لیٹ کر اور کھڑے ہو کر دونوں حالتوں میں سو سکتا ہے۔ ☆ گھوڑے کا بچہ پیدائش کے کچھ ہی دیر بعد دوڑنے کے قابل ہوتا ہے۔ ☆ پالتو گھوڑوں کی عمر 25 برس کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ ☆ کہا جاتا ہے کہ انیسویں صدی کے ایک گھوڑے "اولڈ بیلی" نے 62 برس عمر پائی۔ ☆ گھوڑے میں 205 ہڈیاں ہوتی ہیں۔ ☆ گھوڑوں کو پانچ ہزار سال قبل پالتو بنایا گیا۔ ☆ زمینی میملز میں سب سے بڑی آنکھیں گھوڑے کی ہیں۔ ☆ آنکھوں کے مخصوص مقام کی وجہ سے گھوڑے تقریباً 360 ڈگری تک دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ☆ ایک اندازے کے مطابق دنیا میں چھ کروڑ گھوڑے ہیں۔ ☆ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ گھوڑے پانچ کروڑ برس قبل ارتقا پذیر ہوئے۔ ☆ ماضی میں خیال کیا جاتا تھا کہ گھوڑے رنگ کورے (کلر بلائنڈ) ہوتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت نہیں، تاہم وہ بنفشی اور ارغوانی کی نسبت زرد اور سبز رنگ کو بہتر طور پر دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ☆ اگر گھوڑے کو خوراک نہ ملے اور صرف پانی ملے تو وہ 20 سے 25 دن زندہ رہ سکتا ہے لیکن پانی کے بغیر صرف تین سے چھ دن زندہ رہ سکتا ہے۔ ☆ گھوڑے کے دانت گھوڑی سے زیادہ ہوتے ہیں۔ ☆ گھوڑوں کے غول میں تمام گھوڑے ایک ہی وقت میں نہیں سوتے۔ ان میں سے ایک کھڑا رہے گا تاکہ خطرے سے خبردار کر سکے۔ ☆ گھوڑے کا دماغ

انسان کے دماغ کا نصف ہوتا ہے۔☆گھوڑے الٹی نہیں کر سکتے۔☆اندھیرے میں گھوڑا انسان سے بہتر دیکھ سکتا ہے۔☆ معتدل موسم میں گھوڑے دن میں کم از کم پانچ سے 10 گیلن پانی پیتے ہیں۔☆گھوڑے کے کان میں 16 پٹھے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ اسے 180 ڈگری تک موڑ سکتے ہیں۔

گھوڑے نہ صرف سواری کے لئے کام آتے ہیں بلکہ عربوں کی گھوڑوں سے محبت معروف تھی۔ وہ اپنے گھوڑوں سے اس قدر محبت کرتے تھے جیسے کوئی آدمی اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے۔اسی شغف کی وجہ سے عربوں کے ہاں گھوڑوں کے کئی کئی نام ہیں۔عربوں کے معروف علماء،مفکرین اور دانشوروں نے گھوڑوں کی اقسام پر کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

ان کتابوں میں ابن کلبی کی کتاب"انساب الخیل" یعنی گھوڑوں کی نسلیں۔ غندجانی کی "گھوڑوں کے نام اور نسلیں"،اصمعی کی"گھوڑوں کے متعلق شافی جواب"،ابن ہذیل اندلسی کی"حلیۃ الفرسان" معروف ہیں۔ان بزرگوں کے علاوہ صاجبی،نمیری اندلسی، دمیاطی اور حال ہی میں سعودی عرب کے تاریخ دان حمد الجاسر نے بھی گھوڑوں کی انواع واقسام،نسلیں اور دیگر مختلف امور پر کتابیں تحریر کی ہیں۔ غسانی کی کتاب گھوڑوں کے متعلق مکمل انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔

علامہ جاحظؒ نے لکھا ہے:

"عربوں کی طرح دنیا کی کوئی قوم نہیں جو گھوڑوں سے اتنا شغف رکھتی ہو، نہ ہی کوئی قوم دنیا میں ایسی ہے جسے عربوں سے زیادہ گھوڑوں کا علم ہو۔گھوڑے کا عرب کی زندگی سے نہ صرف گہرا تعلق ہے بلکہ یہ ان کی زندگی کا اٹوٹ حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کی زبان،شعروادب میں گھوڑوں کا بہت زیادہ ذکر ہے۔گھوڑوں نے عرب شعراء کے خیال کی سیرابی کی تو انہوں نے گھوڑوں کی مختلف خصال وعادات کو شعر میں سمودیا۔

گھوڑے نہ صرف سواری اور کھیل کے میدان میں استعمال ہوتے بلکہ اہم ترین جنگی سامان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کے دانشور اکثم بن صیفی نے اپنی قوم کو وصیت کی:

"اے میری قوم! گھوڑے پالو اور ان کی تکریم کرنا سیکھو، یہ عرب کے قلعے ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھوڑے

اللحیف

اللحیف گھوڑے کی دم بہت گھنی اور طویل تھی۔ یہ لفظ "لحاف" سے نکلا ہے۔ جب یہ گھوڑا چلتا تو اس کی دم اس قدر لمبی اور گھنی ہوتی گویا زمین میں لحاف بچھا ہوا ہے، اس لئے اس گھوڑے کا نام "اللحیف" رکھا گیا۔

بخاری میں ہے کہ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ نے فرمایا کہ ہمارے باغ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا گھوڑا تھا جسے "اللحیف" کہا جاتا ہے۔ یہ گھوڑا آپ کو ربیعہ بن براءؓ نے ہدیہ کیا جبکہ ایک اور روایت کے مطابق یہ گھوڑا ہدیہ کرنے والے فروہ بن عمرو جذامی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ گھوڑا اپنی عام سواری اور آمد و رفت میں استعمال کرتے تھے۔

اللزاز

لزاز گھوڑا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے تحفہ کیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شاہِ مصر مقوقس کو مکتوب روانہ کر کے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو مقوقس نے آپ کو مختلف تحائف روانہ کئے جن میں اس گھوڑے کے علاوہ ایک کنیز حضرت ماریہ قبطیہؓ بھی تھیں جن کے بطن سے حضرت ابراہیم ہوئے۔

اس گھوڑے کا نام لزاز اس لئے رکھا گیا کہ یہ بہت طاقتور اور تیز رفتار گھوڑا تھا۔ جب بھی دوڑ میں شامل کیا جاتا تو سب پر سبقت لے جاتا تھا۔ لزاز کا ایک مطلب چپک جانا بھی ہے، مطلب یہ کہ دوڑ میں حریف گھوڑے سے چپک جانے والا۔

الظرب

مضبوطی اور طاقت کی وجہ سے اس کا نام "ظرب" رکھا گیا۔ ظرب چھوٹے پہاڑ کو بھی کہا جاتا ہے۔ گھوڑے کی قوت اور شدت کو چھوٹے پہاڑ سے تشبیہ دی گئی۔ یہ گھوڑا بھی فروہ بن عمرو جذامی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہدیہ کیا تھا۔

سبحہ

اس کا نام "سبحہ" اس لئے رکھا گیا کہ تیز رفتار تھا۔ "سبح" تیرنے کو بھی کہتے ہیں۔ اس کی تیز رفتاری کی مثال اس طرح دی جاتی گویا کہ گھوڑا تیر رہا ہو۔

سبحہ بھورے رنگ کا گھوڑا تھا۔ اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جُہینہ قبیلے سے تعلق رکھنے والے

ایک بدو سے 10 اونٹوں کے بدلے خریدا تھا۔

آپ ﷺ ایک مرتبہ جمعرات کے دن اس گھوڑے کو ریس میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے خود اس کی لگام کسی۔ اس دن سبحہ گھوڑا تمام گھوڑوں پر سبقت لے گیا۔ ریس میں جب گھوڑا دوڑتا تو زمین سے اس قدر غبار اُٹھتا تھا کہ ماحول دھندلا یا جاتا۔ غزوہ موتہ کے موقع پر آپ ﷺ نے یہ گھوڑا حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ اسی گھوڑے کی پشت پر شہید ہوئے۔

الورد

وردزردی مائل سرخ رنگ کا گھوڑا تھا جسے حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو تحفہ کیا تھا۔ بعدازاں آپ ﷺ نے ورد گھوڑا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ہدیہ کردیا۔ حضرت عمرؓ نے اس گھوڑے کو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے وقف کر دیا تھا۔

درج بالا 7 گھوڑوں میں اتفاق ہے جبکہ آپ ﷺ کے پاس دیگر گھوڑے بھی تھے جن کی تعداد میں اختلاف ہے۔ وہ درج ذیل ہیں:

ذوالعقال

عقال ایک بیماری ہے جو جانوروں کو لگتی ہے، اس گھوڑے کا نام ذوالعقال اس لئے رکھا گیا تا کہ اسے یہ بیماری نہ لگے۔

الشحاء

اس گھوڑے کا نام "شحاء" اس لئے رکھا گیا کیونکہ یہ دوڑتا نہیں بلکہ قلانچیں بھرتا تھا۔

ذواللمہ

سر کے بال جب کانوں سے نیچے تک طویل ہو جائیں اور کاندھوں تک پہنچیں تو انہیں "لمہ" کہا جاتا ہے۔

المرتجز

گھوڑے کی تیز رفتاری کی تشبیہ یہ دی گئی گویا ٹاپوں سے آگ کے شرارے نکل رہے ہوں۔



حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ

مال ساتھ لے جائیں



اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو ”سخاوت“ کی صفت عطاء فرمائے...... اور ہم سب کو بخل اور کنجوسی کی مصیبت سے بچائے...... کبھی آپ نے غور فرمایا قرآن پاک کی پہلی آیت ہی ہمیں ”سخاوت“ کا سبق سکھاتی ہے...... الحمد للہ رب العالمین...... پالنے والا ”اللہ تعالیٰ“ ہے...... ہم نہ خود کو پال سکتے ہیں اور نہ اپنی اولادوں کو...... سب کو اللہ تعالیٰ پالتا ہے اور سب کو اللہ تعالیٰ پالے گا...... اس حقیقت پر غور کریں تو دل سے بخل اور کنجوسی کے تالے ٹوٹ گریں...... ”سخاوت“ دراصل ایک درخت ہے جو اللہ تعالیٰ نے جنت میں لگایا ہے...... اس درخت کی شاخیں ”زمین“ پر ہیں...... پس جو سخاوت کی شاخ کو پکڑ لیتا ہے تو وہ شاخ ”لفٹ“ کی طرح اُسے جنت میں کھینچ کر لے جاتی ہے...... یہ میری گھڑی ہوئی بات نہیں بلکہ حدیث پاک کا مفہوم ہے...... اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے خوش ہوتے ہیں تو اُسے ”سخی“ بنا دیتے ہیں...... اور اُس کے ہاتھ سے لوگوں کی حاجتیں پوری فرماتے ہیں...... جو شخص لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اُس پر فخر فرماتے ہیں...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جنت سخی لوگوں کا گھر ہے“...... ایک روایت میں آیا ہے...... بندوں کے لئے رزق کی چابیاں عرش کے سامنے ہیں، جس قدر کوئی بندہ خرچ کرتا ہے اس قدر اللہ تعالیٰ اُس کے لئے بھیج دیتا ہے...... جو

زیادہ کرتا ہے اُس کے لئے زیادہ اور جو کم کرتا ہے اُس کے لئے کم...... میرے بھائیو اور بہنو! ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا بخل یعنی کنجوسی "کفر" کی صفت ہے اور "سخاوت" ایمان کی صفت ہے...... پس جس نے دل سے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھا ہے وہ کبھی کنجوس نہیں ہوسکتا ...... آؤ ہم سب دل کی گہرائی سے پڑھ لیں......

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ......

ہمارا رب اللہ تعالیٰ "جوّاد" ہے......

"جوّاد" کا مطلب بہت سخی...... اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ سخیوں کے امام اور سردار ہیں...... اور ہمارے رہبر حضرات صحابہ کرامؓ ایسے سخی تھے کہ دنیا کی کوئی قوم اُن جیسی سخاوت کی مثال نہیں لا سکتی...... پھر ہمارے دلوں میں یہ بخل اور کنجوسی کی نحوست کہاں سے آ گئی؟...... حالانکہ ہم سب جانتے ہیں کہ...... "بخل" جہنم کا درخت ہے، جس کی شاخیں زمین پر ہیں...... پس جو اس کی کوئی شاخ پکڑ لیتا ہے وہ شاخ اُس کو اپنے ساتھ باندھ کر جہنم میں لے جاتی ہے...... ویسے بھی آپ بخیل آدمی کو دیکھ لیں...... بندھا بندھا سا لگتا ہے...... پیسہ کم نہ ہو جائے، پیسہ خرچ نہ ہو جائے...... کہیں کروڑ پورا کرنے کی فکر تو کہیں لاکھ پورے کرنے کی دوڑ...... کیسا عذاب ہے کہ جان پیسے میں اٹکی ہوئی ہے...... حالانکہ پیسہ اس لئے تھا کہ جان کو فائدہ دے...... مگر بخیل کا پیسہ تو اُس کو کھا جاتا ہے...... صحت ختم، جوانی ختم، سکون ختم، خوشی ختم...... بس پیسہ بناؤ، پیسہ بناؤ...... کوئی مانگ لے تو غصے سے دماغ گرم...... کوئی چھین لے تو غم کا پہاڑ...... اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مالک ناراض...... توبہ، توبہ، توبہ...... ہمارا مالک اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوگیا تو پھر کُتّا بھی ہم سے اچھا...... سور، ریچھ اور گدھے بھی ہم سے اچھے......

اللہ تعالیٰ مال اس لئے دیتا ہے تاکہ آدمی اس سے اپنی جائز ضرورتیں پوری کرے...... اور اس مال کو اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے لگائے...... اور اس مال سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کی حاجت پوری کرے...... تھوڑا سا سوچیں...... آپ ایک مالدار آدمی ہیں...... آپ کسی کو اپنے مال کا ناظم بناتے ہیں...... اب اس خزانچی یا ناظم کا کام کیا ہے؟...... یہی نا کہ آپ اُسے جہاں خرچ کرنے کے لئے کہیں وہ خوشی خوشی خرچ کرتا جائے...... لیکن اگر وہ آپ کے حکم کے مطابق خرچ نہ کرے...... یا خرچ کرنے میں ناک بھویں چڑھائے تو آپ اُسے کتنے دن نوکری پر رکھیں گے؟...... اور ایسا شخص ہر کسی کے نزدیک قابل نفرت ہوگا...... کیونکہ وہ اپنے نہیں دوسرے کے مال میں بھی کنجوسی کر رہا ہے...... اے اللہ کے بندو!...... ہر مال کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے یہ بات قرآن مجید کی کئی آیات میں سمجھائی گئی

ہے...... ویسے بھی سوچیں کہ ہم کیا ہیں؟...... کل دنیا میں آئے اور چند دن میں یہاں سے چلے جائیں گے...... ہر چیز کا مالک اور وارث اللہ تعالیٰ ہے...... اب اللہ تعالیٰ اپنا یہ مال اپنے بعض بندوں کو دیتا ہے...... اور اُن کو حکم فرماتا ہے کہ...... اس میں سے زکوٰۃ ادا کرو...... فطرانہ ادا کرو...... والدین، اہل وعیال اور اقربا کے حقوق ادا کرو...... اسے جہاد فی سبیل اللہ میں لگاؤ...... اس میں سے صدقہ کرو...... اس سے غریبوں، یتیموں، بیواؤں کو کھلاؤ...... اس سے بے آسرا لوگوں کو سہارا دو...... اس سے بے گھر لوگوں کو گھر دو...... تب جو خوش نصیب ہوتے ہیں...... وہ ہر حکم پر کہتے ہیں...... لبیک یا ربی... لبیک یا ربی...... حاضر، حاضر میرے اللہ...... مال تو آپ کا ہے...... مجھے مفت کا ثواب ملتا ہے تو کیوں نہ کماؤں گا...... ایسے لوگوں سے اللہ پاک راضی ہوتا ہے...... وہ اُن کو اپنا ولی بناتا ہے...... وہ اُن کے مال میں عجیب برکات دیتا ہے...... وہ ان کی عمر اور صحت میں برکت ڈالتا ہے...... اور اُن کو مخلوق کا محبوب اور جنت کا مستحق بناتا ہے...... اور اُن کو اولیاء ابرار کا مقام عطاء فرماتا ہے...... مگر کچھ بدنصیب آدمی کہتے ہیں کہ...... یا اللہ! میں کہاں کہاں خرچ کروں؟...... ابھی کل تو صدقہ نکالا ہے...... چندہ بھی دیا ہے...... اور میں کیا کروں؟...... یہ میرا مال ہے میں کِس کِس کو دوں؟...... چنانچہ ہر حکم پر اُس کا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے اور ہر خرچ پر اُس کا دل غم سے مرنے لگتا ہے...... ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نفرت فرماتے ہیں...... اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق بھی اُن سے نفرت کرتی ہے...... اور بالآخر یہ مال اُن کے لئے دنیا اور آخرت کی مصیبت بن جاتا ہے...... کہ دنیا میں کما کما کر، جمع کر کر کے...... اور حساب جوڑ جوڑ کر تھکتے، مرتے تھے...... اور آخرت میں انہیں اس مال کا حساب دینا ہوگا جو بہت مشکل کام ہوگا...... آہ! افسوس کہ...... مال تو پیچھے چھوڑ آئے مگر اُس کا بوجھ اور گند، اپنے ساتھ قبر میں اپنے اوپر لاد آئے......

یا اللہ بخل سے بچا...... بہت بڑی مصیبت ہے. بہت ہی بڑی...... جہانگیر کے زمانے ایک قاضی تھا...... بہت بخیل...... مگر عالم بہت بڑا تھا...... آہ! ایسے عمل کا کیا فائدہ؟...... اُس نے اپنے علم کی بدولت بہت مال کمایا...... بے اولاد تھا...... گھر میں صرف وہ تھا اور اُس کی بیوی...... اور دونوں مال کے لالچی اور بخیل...... مال زیادہ جمع ہوگیا تو پریشان ہوئے کہ کیا کیا جائے لوگ نہ دیکھ لیں...... چنانچہ گھر کے ایک کمرے میں قبریں بنا کر اُن میں مال دفن کر دیا...... لوگوں کو بتاتے کہ ہمارے بڑوں کی قبریں ہیں...... بالآخر دونوں مرکھپ گئے اور راز فاش ہوا تو بادشاہ نے وہ سب خزانہ اٹھا کر بیت المال میں جمع کرلیا......

دیکھیں بخل انسان کو کتنا رسوا کرتا ہے...... بخل کے بارے میں قرآن پاک کی آیات...... اور حضرت آقا مدنی ﷺ کی احادیث مبارکہ لکھوں تو...... آپ یقین کریں کہ دل دہل جائیں گے...... آج تو بخل کو عقلمندی سمجھا جاتا ہے...... استغفراللہ، استغفراللہ...... یہ بھی کوئی عقلمندی ہے کہ انسان خزانے کا سانپ بن جائے...... یہی بخل جب بڑھتا ہے تو...... انسان کو حرام مال پر لگاتا ہے...... دوسروں کا مال بھی دبا کر رکھو...... بندہ ہر ایک کو جو بھی میرے رابطے میں ہو عرض کرتا رہتا ہے کہ...... قرضہ ایک دن بھی اپنے سر پر نہ رکھو...... بس جیسے ہی مال ہاتھ آئے اُسی وقت قرضہ اتار دو...... شیطان کہے گا کہ...... یار کل دے دینا...... مہینے بعد حساب برابر کر لینا...... فلاں مال آئے تب دے دینا...... تب اُس مردود پر لعنت بھیج کر کہیں کہ...... کل کا کیا پتہ زندگی ہو گی یا نہیں...... دوسروں کا مال بلاوجہ اپنے پاس پھنسا کر رکھنے سے بے برکتی آتی ہے...... طرح طرح کی آفتیں آتی ہیں...... اور انسان میں مال کی حرص اور لالچ پیدا ہوتی ہے...... ضرورت سے زائد مال اپنے پاس پڑا ہے...... تو کیا یہ مال انڈے بچے دے گا؟...... اللہ کے بندو! قرضہ اتارو...... اور اس مال کو اپنا بناؤ...... ایک معروف بزرگ حضرت احنف بن قیسؒ نے ایک شخص کے ہاتھ سے ایک درہم لیا اور پوچھا یہ کس کا ہے؟...... اُس نے کہا یہ میرا ہے...... فرمایا تیرا تو تب ہو گا جب تیرے ہاتھ سے کسی اچھی جگہ خرچ ہو جائے گا...... بخل بڑی مصیبت ہے، بخل بڑا مرض ہے...... بخل ایک عذاب ہے...... بخل ایک بیماری اور آفت ہے...... ہم سب کو چاہئے کہ...... رو رو کر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگا کریں...... ورنہ ایسا بھی وقت آسکتا ہے کہ...... بخل سے پناہ مانگنے سے بھی ڈرنے لگیں کہ...... اگر ہم بخیل نہ رہے تو پھر سخی ہو جائیں گے اور جب سخی ہو جائیں گے تو مال خرچ کرنا پڑے گا...... اس لئے ہم ایسے ہی ٹھیک ہیں...... پیسہ ہمارے کام نہیں آرہا مگر ہے تو ہمارے پاس...... اور ہم کروڑ پتی ہیں...... یا اللہ توبہ، یا اللہ توبہ، یا اللہ توبہ...... آئیے مل کر بخل سے پناہ مانگتے ہیں......

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ

یا اللہ ہم آپ کی پناہ پکڑتے ہیں کنجوسی اور بزدلی سے......

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ......

دوسری طرف سخاوت عجیب نعمت ہے...... سخی کے مال کی تلواریں راہ جہاد میں چمکتی ہیں...... یاد رکھو ان تلواروں کے سائے تلے جنت ہے...... سخی کے مال کے گھوڑے میدان جہاد میں ہانپتے ہیں...... ارے ان کے ہانپنے کی قسمیں اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں کھاتا ہے...... سخی کو

والدین کی دعائیں ملتی ہیں...... اور والدین کی دعائیں جنت کی ہوائیں ہیں...... سخی کے دستر خوان پر...... اللہ تعالیٰ کے بندے شکم سیر ہو کر کھاتے ہیں...... اور سخی کی چھت کے نیچے باعزت لوگ پردہ حاصل کرتے ہیں...... سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سخی تھے...... اُن کا مال کس کے کام آیا؟...... ذرا دل تھام کر سوچیں...... سبحان اللہ، سبحان اللہ...... اُن کا مال سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام آیا...... ہے کوئی اس سعادت کی مثال؟...... غزوہ تبوک میں اپنے گھر کا سب کچھ اُٹھا لائے...... اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور اُن کو مسلمانوں کے تمام بیت المال کا متصرف بنا دیا کہ...... اب جہاں چاہیں دل کھول کر مشرق و مغرب میں خرچ کریں...... کتنا مزہ آئے اگر اللہ پاک اپنے فضل سے مجھے اور آپ کو سخی بنا دے...... ارے سارا مال اللہ تعالیٰ قبول فرمالے...... اگر اس کے بدلے اُس کی محبت اور جنت مل جائے تو سودا بہت سستا اور بہت نفع والا ہے...... اسلام کے فدائیوں کو دیکھو کہ اپنے جسم کا ہر ٹکڑا...... اللہ تعالیٰ کی راہ میں نچھاور کرتے ہیں...... ایسی قربانی کے سامنے مال کی کیا حقیقت ہے...... سندھ کے مسلمان سیلاب سے آفت زدہ ہیں...... آپ نے رمضان میں بہت خرچ کیا ہو تب بھی اس موقع پر فائدہ اٹھائیں...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں نے ایک شخص جنت میں مزہ سے کروٹیں لیتا دیکھا، اس نے راستے سے ایک درخت کاٹا تھا...... جو لوگوں کو ایذاء پہنچاتا تھا...... (احیاء العلوم)

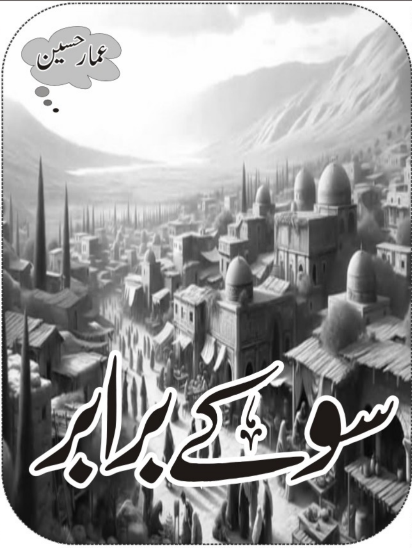
آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی مدد کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا...... آپ دنیا میں مصیبت زدہ لوگوں کی تکلیفوں کو دور کریں گے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی بڑی تکلیفوں کو آپ سے دور کرے گا...... ’’الرحمت ٹرسٹ‘‘ کے جانباز دیوانے سیلابی علاقوں میں خدمت کے لئے اُتر چکے ہیں...... ان کے ساتھ مل کر آپ بھی نیکی کے اس کام میں اپنا حصہ اور اجر حاصل کریں...... دیکھو! کلمہ پڑھنے والے مسلمان بارش اور سیلاب میں اللہ تعالیٰ کو پکار رہے ہیں...... مسلمانو! سخاوت کا وقت ہے...... سخی اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے...... اور صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا...... اور یاد رکھنا یہ مال چھوڑ کر ہم نے کسی اور جہان جانا ہے...... اچھا ہے مال کو رحمت بنا کر اپنے ساتھ لے جائیں......

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ...

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد والہ وصحبہ وبارك وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

☆......☆......☆



مکہ معظمہ کی فتح کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی طرف روانہ ہوئے، ایسے میں بنو کلاب کے مجاہدین کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا:

”ہم بھی آپ کے ساتھ بنو ہوازن کے خلاف لڑیں گے، ہمیں بھی جہاد کی اجازت دیجیے۔“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان جفاکشوں کا جذبہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

”تمہاری جماعت میں کتنے آدمی ہیں؟“

”اے اللہ کے رسول! ہم نو سو ہیں۔“

”اگر تم پسند کرو تو میں تمھیں ایک ایسا شہسوار دیتا ہوں جو تمہاری تعداد کو ایک ہزار کے برابر کر دے اور تمہاری قیادت بھی کرے۔“

آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ وہ شہسوار ایک سو آدمیوں کے برابر ہوگا۔

”ضرور کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! ﷺ“ انہوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طاقت ور جسم والے صحابی کو آگے بڑھنے کا اشارہ فرمایا۔ وہ فوراً آگے بڑھے، آپ ﷺ نے بنو کلاب کا جھنڈا انہیں عطا فرمایا اور بنو کلاب سے فرمایا:

”اب تم پورے ہزار کے برابر ہو۔ جاؤ اپنے امیر کی اطاعت کرو!“

یہ صاحب جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے ایک سو کے برابر قرار دیا، حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ تاریخ میں یہ سیاف رسول مشہور ہوئے، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمشیر بردار محافظ۔

حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کا شمار اپنے دور کے نامور بہادروں اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جانثاروں میں ہوتا ہے۔ ان کی کنیت ابو سعد یا ابو سعید تھی۔ بنو کلاب سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ مشہور نجدی قبیلے بنو عامر کی ایک شاخ تھی۔

یہ تلوار اٹھائے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی غرض سے آپ ﷺ کے قریب کھڑے رہتے تھے۔ اسی لیے انہیں سیاف رسول ﷺ کا خطاب ملا۔ آج کے الفاظ میں آپ باڈی گارڈ کہہ لیں۔

زمانہ جاہلیت میں یہ اپنے قبیلے کے معزز آدمی تھے، شعر و شاعری کا بھی شوق تھا۔ خیال ہے کہ آپ ؓ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے ایمان لے آئے تھے۔ مسلمان ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کے قبیلہ کا امیر مقرر فرمایا۔ آپ ﷺ نے انہیں بنو کلاب کے صدقات وصول کرنے کی ذمہ داری بھی سونپی۔

غزوہ حنین میں بنو سلیم کے مجاہدین کی کمان بھی حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔

ربیع الاول 9 ہجری میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کو خود ان کے قبیلہ بنو کلاب کی طرف روانہ فرمایا تاکہ اس قبیلہ کے مشرکین کو سبق سکھایا جاسکے۔ آپ ﷺ نے اس مہم کی قیادت حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد فرمائی۔ چنانچہ اسی بنیاد پر یہ مہم سریہ ضحاک بن سفیان کے نام سے مشہور ہوئی۔ مشرکین نے مقابلہ کیا لیکن حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ان کی ایک نہ چلی اور آخر ہتھیار ڈال دیے۔

11 ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو سارے عرب میں فتنہ و فساد کی لہر دوڑ گئی، قبائل کے قبائل مرتد ہو گئے، اسلام چھوڑ بیٹھے۔ کسی نے کہا، ہم زکوۃ نہیں دیں گے، تو کسی نے مسلمہ کو نبی مان لیا۔ قبیلہ بنو سلیم بھی اس رو میں بہہ کر مرتد ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ جب ان کے مقابلے میں پہنچے تو دیکھا مرتدین بہت بڑی تعداد میں تھے۔ یہ ان کے ساتھ بڑی بہادری سے لڑے۔ زبردست جنگ ہوئی ... اس لڑائی میں حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ مرتدین کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے لیکن ان کا خون رائیگاں نہ گیا۔ نبوت کے جھوٹے دعوے دار کے خلاف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا گیا اور انہوں نے اسے شکست فاش دی۔ جن مرتدوں نے مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے تھے انہیں قتل کر دیا گیا۔

حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ بنیادی طور پر ایک مجاہد تھے اور زندگی کا زیادہ تر حصہ جہادی اسفار و مشاغل میں گزرا، اس لیے انہیں احادیث بیان کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ ان سے صرف چار احادیث روایت کی گئی ہیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔ اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزار ہار حمتیں ہوں۔ آمین



چاند رات

بنت خالد

آج چاند رات تھی۔ ماما جان شیر خرمہ بنا رہی تھیں۔ آپا جان کے ذمے سب کے کپڑے استری کرنا تھے۔ بھیا ڈرائنگ روم کی سیٹنگ کروا رہے تھے۔ دادو اپنے تخت پر بیٹھیں بادام اور کھوپرا کاٹ رہی تھیں۔ ہماری ننھی منی فزا مہندی کی کون تھامے کبھی آپا کے پاس جاتیں، کبھی ماما جان کے پاس۔

ایک بار تو دادو سے ڈانٹ پڑ بھی گئی۔

”آئے ہائے! بہو! دیکھو بٹیا مہندی کی کون تھامے یہاں وہاں گھوم رہی ہے۔ کپڑوں پر لگ گئی تو داغ نہ جائے گا۔“

ماما جان نے ننھی منی فزا کے ہاتھ سے کون لی اور اس کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

”فزا! جیسے ہی ماہی فارغ ہو گی، سب سے پہلے آپ کو مہندی لگائے گی۔ ٹھیک!“ یہ کہہ کر ماما جان نے مہندی کی کون الماری کے اوپر والے خانے میں رکھی اور کچن میں چلی گئیں۔

ننھی منی فزا کچھ اداس سی یہاں وہاں پھرتی رہی۔

پہلے تو انہوں نے دراز کھول کر چوڑیوں کو جی بھر دیکھا۔ پھر بیڈ کے نیچے سے نئی سینڈل نکال کر دو بار پہنی اتاری۔

”فزا! کہاں ہو۔ میرے ساتھ چلنا ہے؟“

یہ بھیا تھے جو سودا لینے جا رہے تھے۔ ننھی فزا بھاگی بھاگی چلی آئیں۔

”کیا بات ہے! میری ننھی منی بہن اداس لگ رہی ہے؟“ بھیا کا اتنا کہنا تھا کہ پھولے پھولے گالوں والی ہماری ننھی فزا کو پھر مہندی یاد آ گئی۔

”آپا مہندی نہیں لگا رہیں۔ آپا سے کہیں ناں مجھے مہندی لگائیں۔“

اتنا کہتے کہتے ننھی فزا روہانسی ہو چکی تھیں۔

''ارے نہیں نہیں رونا نہیں۔ ابھی جب ہم بازار سے آئیں گے تو آپا بھی کچن کے کام سے فارغ ہو چکی ہوں گی۔

تب وہ آپ کو ضرور مہندی لگائیں گی۔'' یہ کہہ کر بھیا نے پیار سے اس کے بازو سہلائے اور اس کی انگلی پکڑ کر گیٹ سے باہر چلے گئے۔

جب تک بھیا کے سودے کی لسٹ مکمل ہوتی، ننھی فزا تھکاوٹ سے ہلکان ہو چکی تھیں۔ اب انہیں ہاتھ میں پکڑا ہوا جوس بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بس اپنا بستر یاد آ رہا تھا اور اس کے علاوہ کچھ نہیں!

جیسے ہی ان کی واپسی ہوئی، ماما جان نے فزا کو گرم دودھ کپ میں ڈال کر اپنے ہاتھ سے پلایا۔ پھر انہیں بستر پر لٹا دیا۔ زیرو بلب آن کیا اور چلی گئیں ابھی انہیں شامی کباب کا مصالحہ تیار کرنا تھا۔

رات گئے آپا مہندی کی کون تھامے کمرے میں آئیں تو ننھی فزا چھوٹے چھوٹے خراٹے لے رہی تھیں! انہیں ہنسی آ گئی۔ پھر انہوں نے آہستگی سے ان کا ننھا سا ہاتھ تھاما، پیارے پیارے سے پھول بوٹے بنائے۔ پندرہ منٹ انتظار کرنے کے بعد انہوں نے ان کا ہاتھ ایک تولیے سے صاف کر ڈالا۔ کچھ ہی دیر میں وہ ان کے دوسرے ہاتھ پر بھی مہندی لگا چکی تھیں۔

صبح ہماری ننھی منی فزا کی آنکھ چڑیا کی چوں چوں سے کھلی۔ جو شاید انہیں عید مبارک کہنے کھڑکی میں آ بیٹھی تھی! انہوں نے کروٹ لی تو آپا ان کا نیا چمکیلا فراک بیڈ پر پھیلا کر رکھ رہی تھیں۔ اپنے نئے کپڑے دیکھ کر ان کا دل خوشی سے بھر گیا۔

''آج عید ہے!'' انہوں نے ایک نعرہ مار اور اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ اچانک انہیں کچھ یاد آیا اور ان کے منہ سے نکلا۔

''آپا! مہندی لگائیں ناں!''

یہ سن کر آپا کی نظر ننھی فزا کے چھوٹے چھوٹے گلابی ہاتھوں پر گئی۔ ہماری ننھی منی فزا نے بھی جب سر جھکا کر اپنے ہاتھ پلٹ کر دیکھے تو یکدم ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اب انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ان کو زیادہ خوشی ہاتھوں پر بنے پیارے پیارے سرخ پھولوں کی ہے یا نئے چمکیلے فراک کی!

☆......☆......☆

خوشبو والے کا گھر

ایک غریب صحابی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بیٹی کی شادی کے لیے دعا کروائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرما دی اور فرمایا، آپ کے پاس دلہن کے لیے خوشبو تو نہیں ہوگی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پسینہ مبارک کے چند قطرے عطا فرما دیے، وہ لے کر گئے تو سب گھر والوں نے اسے استعمال کیا، ان سب گھر والوں سے اتنی خوشبو آئی کہ اس گھر کا نام بیت المعطرین (خوشبو والوں کا گھر) مشہور ہو گیا۔

(انتخاب: قاری عمر فاروق)



سرسبز جنگل میں رمضان المبارک کے ختم ہونے کے ساتھ ہی عید کی تیاریوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ ہر پرندہ خوش تھا، اپنے گھونسلے سجا رہا تھا اور عید کے لیے مزیدار دانے اکٹھے کر رہا تھا۔لیکن ایک ننھی چڑیا بہت اداس تھی ، یہ چڑیا غریب تھی۔اس کے پاس نہ اچھے دانے تھے، نہ رنگین پروں کی صفائی کے لیے تیل، اور نہ ہی کوئی دوست جس کے ساتھ وہ عید کی خوشیاں بانٹتی۔ وہ ایک درخت کی شاخ پر بیٹھی دوسرے پرندوں کو خوشی خوشی کام کرتے دیکھتی اور سوچ رہی تھی۔

”کاش میرے پاس بھی کچھ ہوتا تو میں بھی عید خوشی سے مناتی۔“

فاختہ نے چڑیا کی اداسی محسوس کی اور اس کے پاس آ کر استفسار کیا۔

”چڑیا بہن! آپ کیوں اتنی پریشان ہو؟ عید تو سب کے لیے خوشی کا دن ہے۔“

چڑیا نے آہ بھری اور بولی۔

”میرے پاس عید کے لیے کچھ بھی نہیں، میں دوسروں کی طرح خوشیاں نہیں منا سکتی آپ مجھے کوئی ترکیب بتاؤ میں کیسے عید منا سکتی ہوں؟“

فاختہ مسکرائی اور اپنے پروں کو پھڑ پھڑا کر پھیلاتے ہوئے چڑیا کو اپنے پروں کے نیچے لے کر بولی۔

”کیا آپ کو پتا ہے کہ عید کا اصل مطلب کیا ہے؟“

چڑیا نے حیرانی سے منفی میں سر ہلایا تو فاختہ نے پیار سے کہا، ہمارے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عید کے دن سب سے بہترین کام یہ ہے کہ کسی غریب کو خوش کر دو!“

اور ایک جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا، اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا۔'' (صحیح بخاری)

چڑیا نے غور سے سنا، تو فاختہ نے مزید کہا۔

''اگر آپ کسی اور کو خوش کرو گی، تو اللہ آپ کو بھی خوشی دے گا۔''

فاختہ کی باتیں سن کر چڑیا نے فیصلہ کیا کہ وہ جنگل کے دوسرے غریب پرندوں کے لیے کچھ کرے گی۔ وہ دانہ چگنے نکلی، کچھ میٹھے بیج اکٹھے کیے، اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر دوسرے چھوٹے پرندوں میں بانٹنے لگی، جب دوسرے پرندوں نے یہ دیکھا، تو وہ حیران ہو گئے کہ جو کچھ دن پہلے خود پریشان اور اداس تھی اب کیسے خوشی خوشی دوسروں کی مدد کر رہی ہے، چیل، کبوتر، اور مینا سب چڑیا کے پاس آئے اور کہا۔

''چڑیا بہن آپ کا شکریہ! آپ نے ہمیں یاد دلایا کہ اصل خوشی بس اپنے آپ کو ہی خوش کرنے میں نہیں بلکہ دوسروں کو خوش کرنے میں ہے۔''

اتنا کہہ کر وہ سب بھی دانے چگنے اور ننھے پرندوں میں بانٹنے لگے اور باقی سب پرندے بھی اپنی اپنی کھانے کی چیزوں میں سے کچھ نا کچھ لے آئے اور سب نے مل کر ایک بڑی دعوت کر لی۔

چڑیا جو پہلے اداس تھی، اب سب سے زیادہ خوش تھی، کیوں کہ اس نے جان لیا تھا عید صرف نئے کپڑے اور اچھے کھانے کا نام نہیں، بلکہ اصل خوشی تب ملتی ہے جب ہم دوسروں کو اپنی خوشیوں میں شامل کرتے ہیں اور اس کے ساتھ باقی پرندوں نے بھی جان لیا کہ سچی خوشی دوسروں کے چہروں پر مسکراہٹ لانے میں ہے، اور یہی عید کا اصل پیغام ہے۔

دور درخت پہ فاختہ بیٹھی ان سب کو مل جل کر کھاتے دیکھ کر اللہ کی حمد کرنے لگی۔

☆......☆......☆

کوپن برائے

''وہ کون تھا؟''

نام:..

ولدیت:..

مکمل ایڈریس:..

تعلیم:..

جواب:..

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)



63

سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ

عبدالحفیظ امیرپوری

لارڈ کارنوالس نے بڑے شائستہ لہجے میں سلطان کے نام ایک خط تحریر کیا۔

”چند ماہ پہلے آپ کا ایک محبت نامہ موصول ہوا تھا، جس میں آپ کی طرف سے صلح کا پیغام دیا گیا تھا۔ اصولی طور پر مجھے فوراً اس کا جواب دینا چاہئے تھا مگر کیا کروں کہ اس وقت میری بے اندازہ مصروفیات نے مجھے کاغذ، قلم اور روشنائی کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیا۔ میں اس سلسلے میں آپ سے بہت معذرت خواہ ہوں۔ اب فرصت میسر ہوئی ہے تو ایک لمحہ ضائع کئے بغیر جناب والا کے مکتوب کا جواب دے رہا ہوں۔

شاید سلطان محترم کو میری اس عادت کی خبر ہو کہ میں فطرتاً ایک صلح پسند انسان ہوں۔ مجھے خونریزی سے سخت نفرت ہے اور میں قتال و جدال کو انسانی تہذیب کے لئے ایک لعنت سمجھتا ہوں۔ میں شاہ برطانیہ کی طرف سے ہندوستان میں امن و آشتی کا سفیر ہوں، اس لئے پوری گرم جوشی کے ساتھ آپ کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ ممکن ہے کہ آپ جوش غضب میں میرے بڑھے ہوئے ہاتھ کو جھٹک دیں۔ مگر میرا ہاتھ اس طرح پھیلا رہے گا اور میں آپ کے انکار کے باوجود مسلسل امن اور صلح کا سوال کرتا رہوں گا۔“

بڑا عجیب خط تھا۔ سننے والوں کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ لہجے کی شائستگی، لارڈ کارنوالس پر ختم ہوگئی ہے۔ ٹیپو سلطان بھی دم بخود تھا۔ سلطنت خداداد کے فرمانروا کو لارڈ کارنوالس کی تحریر پر یقین نہیں آرہا تھا۔

خط کے آخر میں انگریز گورنر جنرل نے لکھا تھا۔

”خیر! ہمارے اور آپ کے درمیان صلح تو

یقینی ہے۔ مگر آئندہ جنگ کے امکانات کو ختم کرنے کے لئے چند شرائط کا طے ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو میں اپنا شرائط نامہ ارسال کروں۔ واضح رہے کہ یہ شرائط انتہائی مناسب اور سلطان کے لئے قابل قبول ہوں گی۔"

آپ کا مخلص، لارڈ کارنوالس

گورنر جنرل ایسٹ انڈیا کمپنی

بڑا افریب کار خط تھا۔ سلطان کے غدار امیروں نے انتہائی پُر جوش انداز میں لارڈ کارنوالس کی اس پیشکش کا خیر مقدم کیا۔ ٹیپو کے وفادار امراء بھی جو فطرتاً عیش پسند تھے اور اس طویل محاذ آرائی سے تنگ آچکے تھے، انہیں بھی لارڈ کارنوالس کی طرف سے صلح کا پیغام موصول ہونے پر خوشی کا احساس ہوا تھا اور خود ٹیپو بھی نمک حراموں کی بھڑکائی ہوئی آگ کو بجھانے کے لئے کچھ دنوں کی مہلت چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے سلطان نے کارنوالس کا خط سن کر بھرے دربار میں اپنی مسرت کا اظہار کیا تھا۔

"اگر وہ حقیقتاً دوست ہے تو اسے ایک دوست کا سلام پہنچا دو۔" سلطان نے لارڈ کارنوالس کے قاصد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہم صلح کی خاطر اس کے شرائط نامے کا خوش دلی کے ساتھ انتظار کریں گے۔"

پھر جب انگریز گورنر جنرل کا شرائط نامہ موصول ہوا تو کچھ دیر کے لئے ٹیپو سناٹے میں آگیا۔ لارڈ کارنواس نے صلح کے لئے حسب ذیل شرائط پیش کی تھیں۔

"سلطان اتحادیوں کے لئے تین کروڑ روپے کی آمدنی کا علاقہ چھوڑ دے۔

تین کروڑ روپے کی رقم نقد ادا کی جائے۔

اگر یہ رقم قسطوں میں ادا کی گئی تو آخری پائی وصول ہونے تک دو شہزادے، انگریزوں کی نگرانی میں رہیں گے۔"

"یہ صلح کا شرائط نامہ ہے یا میری بربادی کی دستاویز؟" شدت کرب سے ٹیپو کی آواز تیز ہوگئی۔

"سلطان جو بھی سمجھیں۔" میجر ڈفٹن نے نصف قد تک خم ہوتے ہوئے کہا۔ یہی میجر فٹن، لارڈ کارنو اس کا قاصد بن کر ٹیپو کے دربار میں آیا تھا۔ بڑا عیار شخص تھا۔ اس کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی طاری تھی مگر وہ دل ہی دل میں ٹیپو کی بے کسی پر مسکرا رہا تھا۔

"تو مجھے اس میں سے کوئی شرط بھی منظور نہیں۔" ٹیپو سلطان جھنجلا گیا۔ تمہارا گورنر جنرل نہایت جھوٹا انسان ہے۔ اس نے اپنے خط میں تحریر کیا تھا کہ ساری شرائط مناسب بھی ہوں گی اور قابل قبول بھی۔

"سلطان محترم! اس میں کون سی شرط نا قابل عمل ہے؟" میجر ڈفٹن سیدھا ہوا۔ اب اُس کے ہونٹوں پر بڑی سفاکانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

ٹیپو نے میجر ڈفٹن سے بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ "میرے لئے ایک شرط بھی قابل عمل

نہیں ۔‘‘ سلطان کی آواز سے اس کا وہی روایتی رعب و جلال نمایاں تھا۔

’’تو پھر کمپنی بہادر کی بالادستی کو تسلیم کر لیجیے ۔‘‘ میجر ڈفٹن بڑی ذہانت سے لارڈ کارنواس کی وکالت کر رہا تھا۔

’’اس کے بعد آپ کو کسی دشواری کا احساس نہیں ہو گا‘‘

دراصل انگریز یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح ٹیپو ان کے سامنے سر اطاعت خم کر دے ۔نظام اور مرہٹوں سے انہیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ پیشوائے پونا اور والیٔ دکن ان کے اشاروں پر ناچ رہے تھے ۔بنگال اوراودھ کے حکمران پہلے ہی اپنے ضمیر اور قومی غیرت کو قتل کر کے فرنگیوں کے آستانے پر سجدے کر رہے تھے ۔بس ایک ٹیپو سلطان باقی رہ گیا تھا جس کی موجودگی کے سبب انگریزوں کو ان کے خواب کی تعبیر نہیں مل رہی تھی ۔لارڈ کارنوالس انگلستان کے وزیر اعظم، پٹ سے یہی وعدہ کر کے آیا تھا کہ وہ ٹیپو کو غلامی کی قبا پہنائے گا یا پھر اپنے ہاتھوں سے اس مرد آزاد کا مقبرہ تعمیر کرے گا۔

کارنوالس کے اس منصوبے کے تحت میجر ڈفٹن، سلطان کے حوصلوں کو آزما رہا تھا اور اس نے در پردہ کمپنی بہادر کی غلامی قبول کرنے کی طرف ایک مبہم سا اشارہ بھی کر دیا تھا۔

ٹیپو، میجر ڈفٹن کے اس اشارے کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔

’’خدا کی قسم! مجھ پر کوئی بھی عالم گزر جائے مگر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی غلامی قبول نہیں کروں گا۔‘‘

’’شرائط نامہ آپ نے سن لیا۔‘‘ میجر ڈفٹن بدستور مسکرا رہا تھا۔

’’اتنے بڑے فیصلوں میں عجلت سے کام نہیں لیا جاتا۔میں کل پھر حاضر خدمت ہوں گا۔‘‘ میجر ڈفٹن نے اسی ریا کارانہ ادا کے ساتھ جھک کر سلطان کو رخصتی سلام کیا اور تیز قدموں سے واپس چلا گیا۔

میجر ڈفٹن کے جاتے ہی سلطان نے اپنے امراء کی طرف دیکھا۔ پورے دربار میں ایک امیر بھی ایسا نہیں تھا جو لارڈ کارنوالس کی پیش کردہ شرائط سے اختلاف کرتا۔

ٹیپو نے ایک لمحے میں صورت حال کو سمجھ لیا اور اس پر یہ خوفناک راز فاش ہو گیا کہ سلطنت خداداد کے اکثر امراء بھی اس سازش میں شریک ہیں ۔پھر بھی اتمام حجت کے لئے اس نے ایک ایک امیر سے پوچھا۔

’’انسان کو اپنی جان اور جاگیر بچانے کے لئے کبھی کبھی انتہائی ناپسندیدہ اور ناخوشگوار فیصلے کرنے پڑتے ہیں ۔آپ کا یہ فیصلہ بھی اسی انداز کا ہو گا۔‘‘ ہر امیر کی زبان سے ایک ہی جیسے الفاظ ادا ہو رہے تھے ۔

’’میں کیا فیصلہ کرنے والا ہوں؟‘‘ اپنے امراء کی حوصلہ شکن باتیں سن کر سلطان کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

’’فی الحال ہمارا یہی مشورہ ہے کہ آپ لارڈ کارنواس کی پیش کردہ شرائط تسلیم کر لیں ۔‘‘ امراء

نے آزمائش کے میدان میں اپنے فرمانروا کو تنہا چھوڑ دیا تھا۔

پورے دربار میں بس میر صادق علی اور پورنیا ہی تھے، جو پُر جوش آوازوں میں بول رہے تھے۔

''سلطان معظم ہمیں یہ شرم ناک صلح قبول نہیں ہے۔آپ کے جاہ و جلال کی قسم! ہم اپنے خون کا ایک ایک قطرہ بہا دیں گے مگر دشمنوں کے آگے سر نہیں جھکائیں گے۔'' اگر چہ میر صادق اور پورنیا، ریاست کے سب سے بڑے غدار تھے لیکن وہ اس نازک صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو سلطان کا جاں نثار ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ٹیپو نے میر صادق اور پورنیا کی طرف دیکھا اور دربار سے اُٹھ کر چلا گیا۔

سلطان کی حرم سرا میں ایک کہرام برپا تھا۔ جب خواتین کو یہ معلوم ہوا کہ انگریزوں نے دو شہزادوں کو بطور یرغمال طلب کیا ہے تو محل کی پوری فضا آہوں اور سسکیوں میں ڈوب گئی۔ مجیدہ بیگم اور رقیہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

''مسلم خواتین کو یہ آہ وزاری زیب نہیں دیتی۔'' سلطان نے اپنی والدہ، دادی اور بیوی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہمارے بچے دوسرے بچوں سے زیادہ اہم نہیں ہیں۔ان بچوں کی بے چارگی کا بھی کچھ خیال کیجئے جن کے بزرگ ہماری ریاست کا دفاع کرتے ہوئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر گئے۔

اگر آج ہمارے بچوں پر یہ وقت آپڑا ہے تو ہمیں اہل ایمان کی طرح صبر کرنا چاہئے۔اور ابھی تو میں نے دشمن کی یہ شرط قبول نہیں کی ہے۔ پھر وقت سے پہلے یہ شور وماتم کیسا؟''

ٹیپو اپنی خصوصی نشست گاہ میں چلا گیا جہاں کچھ دیر بعد سلطان کے طلب کرنے پر سید غفار اور شجاعت خان بھی پہنچ گئے۔

جانثاروں کے ہجوم میں بس یہی دو افراد باقی رہ گئے تھے۔سلطان بہت دیر تک ان دونوں سے گفتگو کرتا رہا مگر سید غفار اور شجاعت خان بھی اپنے فرمانروا کو کوئی مشورہ نہ دے سکے۔ ہر طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، جس میں سلطان کے وفاداروں کو کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔مگر ریاست کے غدار ہی اندھیرے میں اپنا روشن مستقبل دیکھ رہے تھے۔

راج محل کا دوسرا حصہ، جہاں رانیاں مقیم تھیں، اس وقت مندر بنا ہوا تھا۔سرنگا پٹم کے تمام برہمن، پنڈت اور پجاری راج محل میں جمع تھے اور پُر شور آوازوں میں بھجن گائے جا رہے تھے۔ پورنیا ایک ایک لمحے کی خبریں پہنچا رہا تھا، جنہیں سن کر رانیاں اور راج گھرانے کے دوسرے افراد خوشی سے جھوم رہے تھے۔ان سب لوگوں کو سلطان کی مکمل تباہی کا یقین ہو چکا تھا۔اور گیانی آنند پال چیخ رہا تھا۔

''رام راج آچکا۔اب اسے کوئی نہیں روک سکتا''

رانی لکشم ما اور رانی دیوا جی منی نے اپنے

آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے نئی چال چلی۔ وہ دونوں سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بڑے افسردہ لہجے میں کہنے لگیں۔

''ہمیں بے حد افسوس ہے کہ ہم ایسے نازک وقت میں ریاست کے کسی کام نہ آسکے۔ پھر بھی راج محل میں شب و روز پوجا ہو رہی ہے اور سینکڑوں محب وطن ہندو آپ کی سلامتی کے لیے پوجا کر رہے ہیں۔ بھگوان نے چاہا تو بہت جلد یہ سنٹ کا سے (مصیبت کا وقت) گزر لئے۔

سلطان، رانیوں کی سازشوں سے بے خبر تھا، اس لئے وہ خاموشی سے لکشمی ما اور دیواجی منی کی گفتگو سنتا رہا۔ پھر جب وہ دونوں خاموش ہو گئیں تو سلطان نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ خدا، ہندوستان کو فرنگیوں کی غلامی سے محفوظ رکھے۔''

دراصل دونوں رانیاں یہ سوچ کر آئی تھیں کہ ایک طرف وہ ہمدردی کا اظہار کر کے اپنی مشتبہ شخصیات کو معصوم ثابت کر سکیں گی اور دوسری طرف سلطان کی بے چارگی و بدحواسی سے لطف اندوز ہو سکیں گی۔

رانی لکشمی ما اور رانی دیواجی منی، ٹیپو کی سادہ لوحی اور اعلیٰ ظرفی کی وجہ سے اپنی اس کوشش میں تو کامیاب ہو گئیں کہ سلطنت خداداد کے فرمانروا۔ خداداد کے فرمانروا نے اب تک انہیں شک کی نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔ مگر ان کی دوسری خواہش پوری نہ ہو سکی۔ سلطان، رانیوں سے اس طرح گفتگو کر رہا تھا جیسے موسم نہایت خوشگوار ہو اور ریاست کی سرحدوں پر امن و عافیت کی تیز بارش ہو رہی ہو۔

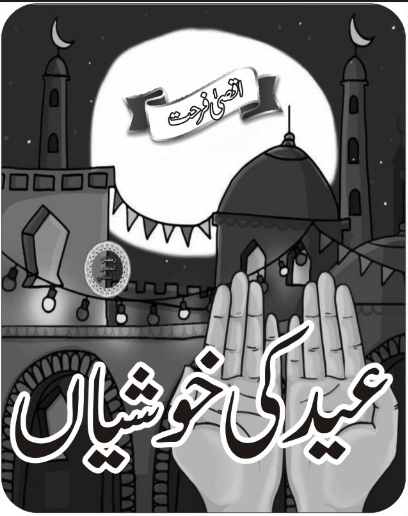
دوسرے دن میجر ڈفٹن دربار میں آیا تو سلطان نے لارڈ کارنواس کی تینوں شرائط تسلیم کرتے ہوئے ایک کروڑ روپے نقد ادا کر دیئے اور باقی رقم کی جلد ادائیگی کے لئے وعدہ کر لیا۔ میجر ڈفٹن دوبارہ کارنواس کے پاس پہنچا اور خچروں پر لدی ہوئی رقم اس کے سامنے ڈھیر کر دی۔

''ہم سیاست میں کسی پر اعتبار نہیں کرتے'' لارڈ کارنواس انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں ڈفٹن سے مخاطب ہوا۔

''سلطان سے کہو کہ وہ شرائط کی پوری پوری تکمیل کرے۔ ہم اس سے بھیک نہیں، خراج مانگ رہے ہیں۔ اگر سلطان کو ہماری شرائط منظور نہیں تو یہ رقم اس کے منہ پر مار دو اور صاف صاف کہہ دو کہ سلطنت خداداد کی تباہی تک جنگ جاری رہے گی۔'' لارڈ کارنواس اب اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہوا تھا۔ اس کے لہجے کی ساری شائستگی غائب ہو گئی تھی اور وہ اب ایک انسان سے ایک ایسا درندہ بن گیا تھا، جس کے منہ کو آدمی کا خون لگ جاتا ہے۔

''سلطان اپنے بچوں کو لارڈ کارنواس کے حوالے کرنا نہیں چاہتا تھا، اس لئے کسی نہ کسی طرح اس آفت ناگہانی کو ٹالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆☆.......☆☆.....☆☆



عید کی خوشیاں

اقصیٰ فرحت

دنیا بھر کی سبھی قوموں میں تہوار منانے کا رواج ہے، جسے ہر مذہب کے لوگ اپنی روایت کے مطابق مناتے ہیں۔ جس میں "عید الفطر" ایک ایسا مذہبی تہوار ہے جو امتِ مسلمہ میں خاص مقام اور اہمیت کا حامل ہے۔

عید الفطر دراصل بہت سی خوشیوں کا مجموعہ ہے، ماہِ صیام کے روزوں کی خوشی، قیام شب ہائے رمضان کی خوشی، نزول قرآن کی خوشی، لیلۃ القدر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزہ داروں کے لیے رحمت و بخشش اور عذابِ جہنم سے آزادی کی خوشی۔ پھر ان تمام خوشیوں کا اظہار صدقہ و خیرات جسے صدقہ فطر بھی کہا جاتا ہے۔ جس سے عبادت کے ساتھ انفاق و خیرات کا عمل بھی شروع ہو جاتا ہے۔

انہی وجوہات کی بناء پر اسے مومنوں کے لیے خوشی کا دن قرار دیا گیا ہے۔ آقائے دو جہاں رحمت للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے دعا مانگتے ہوئے دو عیدوں کا تحفہ امتِ مسلمہ کو دیا۔ مہینہ شوال کی پہلی تاریخ کو مسلمان عید الفطر مناتے ہیں۔ "عید" کے معنی خوشی اور "فطر" کے معنی کھولنا ہیں۔ یہ دن ماہِ صیام کے روزوں کی تکمیل اور اس تربیتی مہینے میں عبادات کی انجام دہی کے بعد اظہارِ تشکر کے طور پر منانے کا دن ہے۔ جسے امتِ مسلمہ کے لیے سچی خوشی کا دن قرار دیا جاتا ہے۔ یہ دن دلوں سے نفرتوں کو مٹانے، روٹھے ہوئے چہروں کو منانے، غریبوں، مسکینوں کے کام آنے، بھائی چارے، محبت اور امن کا پیغام آگے بڑھانے سے منسوب ہے۔

ہمارے اردگرد بہت سے افراد/ خاندان ایسے ہیں جن کے پاس عید کرنے تو دور دو وقت کی روٹی کے وسائل دستیاب نہیں۔

مالی طور پر آسودہ طبقات کے لیے عید واقعی ایک خوشی کا موقع ہوتی ہے لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ غربت کی چکی میں پسے ہوئے اور بنیادی ضرورتوں تک سے محروم مسلمانوں کیلئے عید بھی کسی آزمائش سے کم نہیں ہوتی کیونکہ انہیں عید کی خوشیاں منانے کیلئے مطلوبہ وسائل میسر نہیں ہوتے جبکہ اُن کے معصوم بچے یہ تلخ حقیقت قبول کرنے

کے لائق نہیں ہوتے۔

یہ ظلم ہے کہ ہم خود تو عیش و عشرت کریں اور غریب بے بسی کی تصویر بنے رہیں۔ اسی لیے صدقہ فطر مقرر کیا گیا۔ لیکن ہم حسب استطاعت نہیں دیتے۔ کوشش یہی ہوتی ہے کہ آخری ایام میں کم از کم فطرانہ ادا کیا جائے۔ کیا اس مہنگائی کے طوفان میں ایک غریب ہزار پندرہ سو میں خاندان کو عید کروا سکتا ہے؟ ہمیں دوسروں کا احساس کرنا چاہیے۔ جتنا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس حساب سے فطرانہ دیا جانا چاہیے تاکہ غربا، مسکین، نادار بھی شریک ہو سکیں۔

خوشیاں منائیں نئے کپڑے نئے جوتے لیکن اس کے ساتھ ہی ہماری ذمہ داری یہ بھی ہے کہ اس خوشی کے موقع پر اپنے غریب مسلمان بھائیوں کو بھی نہ بھولیں۔ حسب توفیق انہیں بھی اپنی عید کی خوشیوں میں ضرور شریک کریں۔ عید اصل میں ہے ہی دوسروں کو اپنی خوشیوں میں شریک کرنے کا نام ہے یا دوسروں کی خوشیوں میں شریک ہونے کا نام ہے۔ یہ عید تیرے واسطے خوشیوں کا نگر ہو۔

اگر ہمارے پڑوس میں خاندان میں کوئی عید کی خوشیوں شامل نہیں ہو سکتا غربت کی وجہ سے تو اس کی مدد کرنے سے ہی عید کی دلی خوشیاں ملیں گیں۔ "عید" غریبوں سے ہمدردی اور اپنوں سے صلہ رحمی کا دن ہے۔ یہ دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی بے بسی کے خاتمے اور حصول آزادی کے اس سلسلہ کی عملی جدوجہد کے عہد کا دن ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ مہنگائی نے عوام میں سے اکثریت کی زندگی مشکل کر دی ہے ہم کو چاہیے خاص طور پر ان مسلمانوں کو بھی اپنی خوشیوں میں شامل کریں جن کو ایک وقت کی روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی تاکہ وہ غریب مسلمان بھی مسرتوں اور خوشیوں کا تھوڑا سا حصہ حاصل کر سکیں اور ویسے بھی ایک غریب مسلمان کی خوشی کے موقع پر بے لوث مدد اور خدمت کرنے سے جو روحانی خوشی حاصل ہوتی ہے وہ لازوال ہوتی ہے۔ اور ایسی مدد کرنے پر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی خوش ہوتے ہیں اور اگر ہو سکے تو ابھی سے ان کی مدد کر دیں تاکہ وہ اپنے بچوں کے لیے کپڑے خرید سکے۔ یہ ہمارا ان پر کوئی احسان نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے ہم پر فرض ہے۔ اللہ نے ہم کو دیا ہے تو ہماری ذمہ داری بھی بنتی ہے۔

عید کے روز دل میں کوئی رنجش نہ رکھیں۔ جن سے ماں باپ کی کوئی نافرمانی ہوئی ہے ان سے معافی مانگ لیں۔ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں سے پیار محبت سے پیش آئیں۔ اپنی خوشی میں غریبوں، یتیموں، بے سہارا لوگوں کو بھی شامل کریں اور سب کے ساتھ اپنی خوشیاں اور مسکراہٹیں بانٹیں۔ کیونکہ خوشی بانٹنے سے کم نہیں ہوتی بلکہ اس کی چاشنی میں مزید اضافہ ہی ہوتا ہے۔

اداس پودا

آمنہ خورشید



یہ کہانی ہے ایک پودے کی جو بہت چھوٹا سا تھا۔ وہ لیموں کا پودا تھا۔

جب مالی بابا نے اسے کیاری میں لگایا تو وہ بہت خوش ہوا۔ اسے بہت مزہ آیا۔ تھوڑی دیر بعد لیموں کے پودے نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے ساتھ آم کا درخت لگا ہوا تھا۔

''اوہ! یہ تو بہت اونچا ہے!''

پھر لیموں پودے نے دائیں طرف دیکھا۔ وہاں جامن کا پودا لگا ہوا تھا۔ وہ بھی بہت بڑا تھا۔ لیموں کے پودے سے کافی بڑا۔

''اوہ! اتنا بڑا!'' لیموں پودے نے کہا اور وہ اداس ہوگیا۔

''اوں ہوں! میں کب بڑا ہوں گا۔ سب مجھ سے بڑے ہیں۔ یہ کیا بات ہوئی!''

آم کا درخت لیموں کی بات سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''پیارے پودے! آپ بھی بہت جلدی بڑے ہو جائیں گے۔ پریشان نہ ہوں۔''

پھر دھوپ پڑنے لگی۔ بہت تیز دھوپ۔ لیموں پودے کو تو گرمی لگنے لگی۔ آم کے درخت کے نیچے چھاؤں تھی۔ لیموں پودا ذرا سا ترچھا ہوگیا اور آم کے درخت کے نیچے آگیا۔

مالی بابا وہاں سے گزرے تو انہوں نے دیکھا۔ لیموں پودے کو دھوپ نہیں لگ رہی تھی۔ انہوں نے پیار سے لیموں پودے کو سیدھا کھڑا کیا اور چلے گئے۔

''اف یہ کیا! اتنی گرمی لگ رہی ہے مجھے۔ میں کیا کروں؟'' لیموں پودے کو تو پسینہ آنے لگا۔ آم کے درخت نے کہا۔

''کوئی بات نہیں! دھوپ لگنا تو اچھی بات ہے۔''

اب لیموں پودے کو پیاس لگ رہی تھی۔

''پانی! پانی!'' وہ گھبرا گیا۔

پھر مالی بابا آئے۔ ان کے ہاتھ میں لمبا سا

پائپ تھا۔ انہوں نے ایک طرف سے کیاری کو پانی دینا شروع کیا۔ جلد ہی لیموں پودے پر بھی پانی پڑنے لگا۔

''آہا! آہا! کیا مزے کا پانی ہے! ٹھنڈا ٹھنڈا!'' لیموں پودے کو بہت مزہ آرہا تھا۔

پھر مالی بابا نے پائپ سمیٹ لیا اور چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں کھاد کا تھیلا تھا۔ انہوں نے تھوڑی تھوڑی کھاد سب پودوں کے پاس ڈال دی۔ لیموں پودے کو کھاد سے بہت بد بو آئی۔

''اف! یہ کیا ہے؟ مجھے سانس نہیں آرہا۔

اتنی بد بو!''

لیکن تھوڑی دیر بعد ہوا چلنے لگی۔ پیاری سی ہوا۔ جس نے کھاد کی بد بو کو کم کر دیا۔ لیموں پودے کو ہوا بہت اچھی لگی۔ اس نے کہا۔

''ارے! یہ ہوا تو بہت اچھی ہے۔ یہ میری دوست ہے۔ بس!''

لیکن تھوڑی دیر بعد ہوا تیز ہو گئی۔ سب پتے ہلنے لگے۔ لیموں پودا ڈر گیا۔

''ارے یہ کیا! آہستہ چلو پیاری ہوا! میں تو گر جاؤں گا۔'' وہ ادھر ادھر ہل رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آم کے درخت نے کہا۔

''پیارے پودے! ہوا سے نہ ڈرو۔ ہوا کا مقابلہ کرو۔ سختی سے کھڑے رہو۔ پھر ہوا آپ کو گرا نہیں سکے گی۔''

یہ سن کر لیموں پودا پوری مضبوطی سے جم گیا۔ اب وہ ادھر ادھر نہیں ہل رہا تھا۔ اس نے تیز ہوا کا خوب مقابلہ کیا۔ پھر سورج ڈھل گیا۔

لیموں پودا تھک گیا تھا۔ وہ سو گیا۔ باقی سب پودے بھی سو رہے تھے۔

اگلی صبح جب پودا اٹھا تو مالی بابا پانی دے کر جا چکے تھے۔ اس نے خوب پانی پیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ اچانک آم کے درخت نے کہا۔

''ارے واہ! پیارے پودے! ماشاء اللہ! آپ تو بڑے بڑے لگ رہے ہیں۔''

یہ سن کر لیموں پودے نے خوشی سے چیخ ماری:

''کیا واقعی!''

پھر اس نے جھک کر دیکھا۔ گھاس کے پتے بھی یہی کہہ رہے تھے۔

☆......☆......☆

میرے پیارے بچو! ہر پودے کو بڑا ہونے کے لیے اچھی دھوپ، پانی، ہوا اور کھاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

جب بھی آپ پودا لگائیں تو ان ساری چیزوں کا خیال رکھیں کیونکہ اگر پودا بڑا نہ ہوا تو وہ اداس ہو جائے گا۔

☆......☆......☆

☆......☆......☆

صدقۂ فطر
فضائل، مسائل، احکام

محمد نجیب قاسمی

زکوٰۃ کی دو قسمیں ہیں، زکوٰۃ المال یعنی مال کی زکوٰۃ جو مال کی ایک خاص مقدار پر فرض ہے۔

زکوٰۃ الفطر یعنی بدن کی زکوٰۃ، اسے صدقۃ الفطر کہا جاتا ہے۔

صدقۂ فطر کیا ہے؟: فطر کے معنی روزہ کھولنے یا روزہ نہ رکھنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اس صدقہ کا نام صدقۃ الفطر ہے جو ماہ رمضان کے ختم ہونے پر روزہ کھل جانے کی خوشی اور شکریہ کے طور پر ادا کیا جاتا ہے، نیز صدقۃ الفطر رمضان کی کوتاہیوں اور غلطیوں کا کفارہ بھی بنتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صدقۃ الفطر روزے دار کی بے کار بات اور فحش گوئی سے روزے کو پاک کرنے کے لئے اور مساکین کو کھانا کھلانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

عید الفطر میں صدقۂ فطر اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ اس میں روزے داروں کے لئے گناہوں سے پاکیزگی اور ان کے روزوں کی تکمیل ہے۔

نیز مال داروں کے گھروں میں تو اس روز عید ہوتی ہے، مختلف قسم کے پکوان پکتے ہیں، اچھے کپڑے پہنے جاتے ہیں، جبکہ غریبوں کے گھروں میں بوجہ غربت اسی طرح روزے کی شکل موجود ہوتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مال دار اور اچھے کھاتے پیتے لوگوں پر لازم ٹھہرایا کہ غریبوں کو عید



سے پہلے صدقۃ الفطر دے دیں، تاکہ وہ بھی خوشیوں میں شریک ہوسکیں، وہ بھی اچھا کھا پی سکیں اور اچھا پہن سکیں۔

متعدد احادیث سے صدقۃ الفطر کا وجوب ثابت ہے، اختصار کے مدنظر تین احادیث پیش قارئین ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۃ الفطر مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے خواہ وہ غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ اپنے روزوں کا صدقہ نکالو۔ (ابو داؤد)

اسی طرح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کی گلیوں میں ایک منادی کو اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ صدقۃ الفطر ہر مسلمان پر واجب ہے، خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا۔ (ترمذی)

صدقۂ فطر کس پر واجب ہے؟۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور علمائے احناف کی رائے کے مطابق جو مسلمان اتنا مال دار ہو کہ ضروریات سے زائد اس کے پاس اتنی قیمت کا مال و اسباب موجود ہو، جتنی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اس پر عید الفطر کے دن صدقۃ الفطر واجب ہوگا، چاہے وہ مال و اسباب تجارت کے لئے ہو یا نہ ہو، چاہے اس پر سال گزرے یا نہیں۔

غرضیکہ صدقۃ الفطر کے وجوب کے لئے زکوٰۃ کے فرض ہونے کی تمام شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔

دیگر علماء کے نزدیک صدقۃ الفطر کے وجوب کے لئے نصاب زکوٰۃ کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے یعنی جس کے پاس ایک دن اور ایک رات سے زائد کی خوراک اپنے اور زیر کفالت لوگوں کے لئے ہو تو وہ اپنی طرف سے اور اپنے اہل وعیال کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کرے۔

عید الفطر کے دن صبح ہوتے ہی یہ صدقہ واجب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص صبح ہونے سے پہلے ہی انتقال کر گیا تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہوا اور جو بچہ صبح سے پہلے پیدا ہوا تو اس کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کیا جائے گا۔

صدقۃ الفطر کی ادائیگی کا اصل وقت عید الفطر کے دن نماز عید سے پہلے ہے، البتہ رمضان کے آخر میں کسی بھی وقت ادا کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ صدقۃ الفطر نماز کے لئے جانے سے قبل ادا کر دیا جائے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ گھر کے چھوٹے بڑے تمام افراد کی طرف سے صدقۃ الفطر دیتے تھے، حتیٰ کہ میرے بیٹوں کی طرف سے بھی دیتے تھے اور عید الفطر

سے ایک یا دو دن پہلے ہی ادا کر دیتے تھے۔

نماز عید الفطر کی ادائیگی تک صدقۃ الفطر ادا نہ کرنے کی صورت میں نماز عید کے بعد بھی قضا کے طور پر دے سکتے ہیں، لیکن اتنی تاخیر کرنا بالکل مناسب نہیں ہے، کیونکہ اس سے صدقۃ الفطر کا مقصود و مطلوب ہی فوت ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں کہ جس نے اسے نماز عید سے پہلے ادا کر دیا تو یہ قابل قبول زکوٰۃ (صدقۃ الفطر) ہوگی اور جس نے نماز کے بعد اسے ادا کیا تو وہ صرف صدقات میں سے ایک صدقہ ہی ہے۔ (ابو داؤد)

چاول، کھجور اور کشمش کو صدقۃ الفطر میں دینے کی صورت میں علمائے امت کا اتفاق ہے کہ اس میں ایک صاع (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کا ایک پیمانہ) یعنی تقریباً ساڑھے تین کلو صدقۃ الفطر ادا کرنا ہے، البتہ گیہوں کو صدقۃ الفطر میں دینے کی صورت میں اس کی مقدار کے متعلق علمائے امت میں زمانۂ قدیم سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ گیہوں میں آدھا صاع (یعنی تقریباً پونے دو کلو) صدقۃ الفطر میں ادا کیا جائے۔

حضرت عثمان، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہم سے صحیح سندوں کے ساتھ گیہوں میں آدھا صاع مروی ہے۔

ہندوستان و پاکستان کے علماء بھی مندرجہ ذیل احادیث کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ صدقۃ الفطر میں گیہوں آدھا صاع (یعنی تقریباً پونے دو کلو) ہے، یہی رائے مشہور و معروف تابعی حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی بھی ہے۔

ریاض الصالحین کے مصنف اور صحیح مسلم کی سب سے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صدقۂ فطر میں ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع کھانے کی اشیاء سے دیا جائے اور کھانے کی اشیاء سے مراد جو یا کھجور یا پنیر یا کشمش ہے جیسا کہ اس حدیث کے خود راوی صحابی رسول حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حدیث کے آخر میں وضاحت کی ہے، لیکن اس میں کسی بھی جگہ گیہوں کا تذکرہ نہیں ہے۔

اکثر علماء کے قول کے مطابق جو یا کھجور یا کشمش کا ایک صاع (تقریباً ساڑھے تین کلو) یا گیہوں کا نصف صاع (تقریباً پونے دو کلو) یا اس کی قیمت صدقۂ فطر میں ادا کرنی چاہئے لیکن اختلاف سے قطع نظر اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے اور وہ گیہوں سے بھی ایک صاع یا اس کی قیمت دینا چاہتا ہے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے۔

کیا غلہ و اناج کے بدلے قیمت دی جا سکتی ہے؟ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، حضرت امام بخاری رحمہ اللہ، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ،

علمائے احناف اور دیگر محدثین وفقہاء وعلماء نے تحریر کیا ہے کہ غلہ واناج کی قیمت بھی صدقۂ فطر میں دی جاسکتی ہے۔

زمانے کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اب تقریباً تمام ہی مکاتب فکر کا اتفاق ہے کہ عصر حاضر میں غلہ واناج کے بدلے قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔صدقۂ فطر میں گیہوں کی قیمت دینے والے حضرات تقریباً پونے دوکلو گیہوں کی قیمت بازار کے بھاؤ کے اعتبار سے ادا کریں اور جو مالدار حضرات کھجور یا کشمش سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیں تو وہ ایک صاع یعنی تقریباً ساڑھے تین کلو کی قیمت ادا کریں،اس میں غریبوں کا فائدہ ہے۔

صدقۂ فطر کے مستحق کون ہیں؟ صدقۂ فطر غریب وفقیر مساکین کو دیا جائے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں گزرا (مساکین کو کھانا کھلانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے)

ایک شہر سے دوسرے شہر میں صدقۂ فطر بھیجنا مکروہ ہے (یعنی جہاں آپ رہ رہے ہیں، وہیں صدقۂ فطر ادا کریں)۔ ہاں اگر دوسرے شہر یا دوسرے ملک میں غریب رشتے دار رہتے ہیں یا وہاں کے لوگ زیادہ مستحق ہیں اور انہیں بھیج دیا تو مکروہ نہیں ہے۔

ایک آدمی کا صدقۂ فطر کئی فقیروں کو اور کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر ایک فقیر کو دیا جاسکتا ہے۔ جس شخص نے کسی وجہ سے رمضان المبارک کے روزے نہیں رکھے اسے بھی صدقۂ فطر ادا کرنا چاہئے۔

☆......☆......☆

☆......☆......☆

پانچ اندھیرے پانچ چراغ

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ پانچ اندھیرے ہیں اور پانچ ہی ان کے چراغ ہیں۔

(۱) دنیا کی محبت اندھیرا ہے۔تقویٰ اس کا چراغ ہے۔

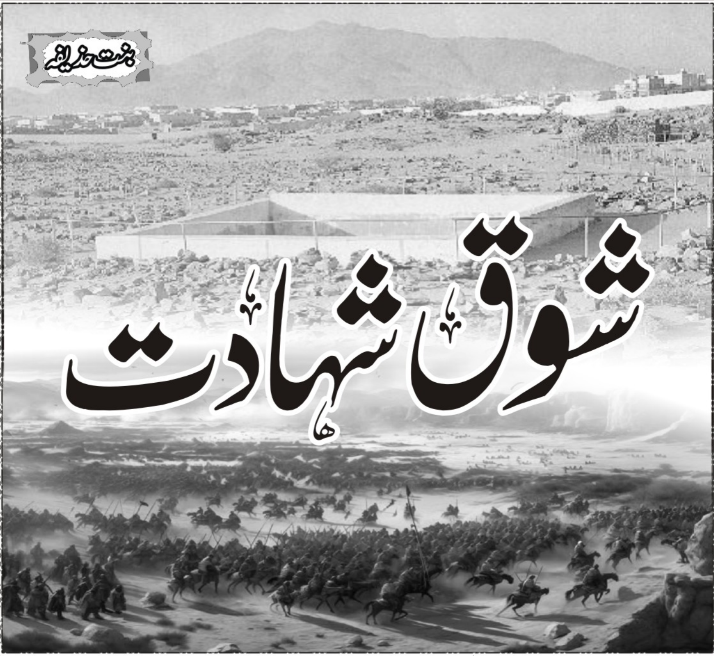
(۲) گناہ اندھیرا ہے۔توبہ استغفار اس کا چراغ ہے۔

(۳) پل صراط اندھیرا ہے۔یقین اس کا چراغ ہے۔

(۴) آخرت اندھیرا ہے۔نیک اعمال اس کا چراغ ہے۔

(۵) قبر اندھیرا ہے۔کلمہ لا الہ الا اللہ اُس کا چراغ ہے۔

(انتخاب: نور الایمان)



شوقِ شہادت

بنت حذیفہ

جب مجاہدین بدر کے میدان کی طرف روانہ ہو رہے تھے، تو ایک صحابی جن کا نام عمیر بن ابی وقاص رضی تھا۔ ان کی عمر صرف سولہ سال تھی، یہ بھی ذوق و شوق کے ساتھ چل پڑے، ان کو ڈر تھا کہ کہیں آنحضرت ﷺ ان کو چھوٹا سمجھ کر واپس نہ کر دیں چنانچہ پورے راستے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے چھپتے رہے۔

ان کے بھائی سعد بن ابی وقاص رضی نے ان سے چھپنے کی وجہ پوچھی تو عمیر نے کہا:

”مجھے ڈر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کم سن سمجھ کر واپس نہ فرما دیں، میں اس جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت نصیب فرمائے۔“

ان کو جس بات کا ڈر تھا وہی ہوا، رسول اللہ ﷺ نے ان کو چھوٹا سمجھ کر واپس فرمانا چاہا تو یہ رونے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ پر بڑا اثر ہوا اور آپ ﷺ نے انہیں شرکت کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس نوعمر صحابی کی تمنا کو پورا کیا اور یہ شہداء غزوہ بدر میں شامل ہوئے۔

مہاجرین وانصار کی یہ تقاریر سن کر اور اپنے جانباز صحابہ کا یہ حال دیکھ کر سرور عالم ﷺ کا چہرہ مبارک مسرت سے تمتما اٹھا اور آپ ﷺ نے

ارشاد فرمایا:

''اب اللہ کے نام پر آگے بڑھو! اور بشارت حاصل کرو! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ابو جہل یا ابوسفیان کی دو جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر ضرور فتح و نصرت عطا کرے گا اور خدا کا وعدہ بلا شبہ سچا ہے اور قسم بخدا! میں جنگ سے قبل ابھی سے قوم کے سرداروں کی قتل گاہ کو دیکھ رہا ہوں۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے بدر پہنچ کر زمین پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ اس جگہ فلاں قریشی مارا جائے گا اور یہاں فلاں قتل ہوگا۔

اب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ بدر پہنچ گئے، مگر قریش نے پہلے سے پہنچ کر پانی کے چشمہ پر قبضہ کر لیا اور مناسب جگہوں کو اپنے لیے چھانٹ لیا بخلاف مسلمانوں کے کہ ان کو نہ پانی ملا اور نہ مناسب جگہ، ریتلا میدان تھا، جہاں چلنا ہی دشوار تھا۔ ریت میں پیر دھنس جاتے تھے۔ حق تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی، جس کی وجہ سے ریت جم گئی اور پانی بھی مل گیا اور جہاں مشرکین کھڑے تھے وہاں کیچڑ ہو گیا اور ان کے لیے دشواری پیدا ہوئی۔

اگر یہ مٹھی بھر مسلمان شہید ہو گئے

غرض اسی حالت میں دونوں فریق جنگ کے لیے صف آرا ہوئے تو اول آپ ﷺ نے مسلمانوں کی صفوف کو درست فرمایا اور پھر اس عریش (خس پوش جھونپڑی) کے نیچے جا کر جو آپ کے لیے میدان جنگ میں بنادی گئی تھی بارگاہ الٰہی میں الحاح وتضرع کے ساتھ دعا شروع کی۔

اللهم انجزلي ما وعدتني اللهم ان تهلك هذه العصابة من اهل الاسلام لا تعبدفي الارض

''خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدہ (نصرت) فرمایا اس کو پورا فرما خدایا! اگر یہ مٹھی بھر مسلمان ہلاک ہو گئے تو پھر خطہ زمین پر کوئی تیرا عبادت گزار باقی نہیں رہے گا۔''

دعا کے دوران آپ ﷺ کی ہچکی بندھ گئی تھی اور چادر مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی۔ یہ دیکھ کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے قریب آئے اور عرض کیا، خدا کے رسول! بس کیجئے اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔

اور آخر یہی ہوا کہ ہر قسم کے ناسازگار حالات اور اس درجہ کمزوری کے باوجود یہی ہوا کہ ہر قسم مسلمانوں کو غیبی نصرت و امداد نے بامراد اور کامیاب کیا، فتح و نصرت نے قدم چومے اور تاریخ عالم کا ایک بے نظیر اور حیرت انگیز انقلاب پیش کر دیا۔

دونوں جانب سے نبرد آزما ایک دوسرے کے مقابل ہو کر ھل من مبارز پکارنے اور داد شجاعت دینے لگے۔ سب سے پہلے عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدان میں اترا اور للکار کر اپنا مد مقابل طلب کیا۔

ادھر لشکر اسلام سے مقابلے کیلئے تین حضرات نکلے، حضرت عوف بن حارث، حضرت معوذ بن حارث (یہ دونوں معروف صحابیہ حضرت عفراء رضی اللہ عنہا کے صاجنرادے ہیں جن کو یہ شرف اور اعزاز حاصل ہے کہ ان کے کل سات صاجنرادے بدری صحابہ میں شامل ہیں) تیسرے حضرت عبداللہ بن رواحہ۔عتبہ نے ان حضرات سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟

ان حضرات نے فرمایا کہ ہم گروہ انصار میں سے ہیں۔عتبہ نے کہا ہمیں تم سے کوئی مطلب نہیں ۔ہم تو اپنی قوم کے افراد سے لڑنا چاہتے ہیں اور للکار کے یہ آواز دی:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہماری قوم میں سے ہماری ٹکر کے لوگ لڑنے کیلئے بھیجیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے تین صحابہ کو واپس آنے کا حکم دیا اور حضرت علیؓ حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث کا نام لے کر انہیں نکلنے کا فرمایا۔

جب یہ تینوں حضرات مقابلے کیلئے دو بدو ہوئے تو چہروں پر نقاب تھے اس لئے عتبہ نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟

عبیدہ نے کہا، میں عبیدہ ہوں۔حمزہ نے کہا، میں حمزہ ہوں۔علی، نے کہا میں علی ہوں۔

عتبہ نے کہا، ہاں تم لوگ ہمارے جوڑ اور برابر کے ہو اور محترم ہو۔

عبیدہ نے عتبہ کا مقابلہ کیا، حمزہ شیبہ سے ٹکرائے اور علی ولید کے مقابل ہوئے۔حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے تو اپنے اپنے مقابل کا ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔حضرت عبیدہ خود بھی زخمی ہوئے اور عتبہ کو بھی زخمی کیا۔حضرت عبیدہ کے پیر اس مقابلے میں کٹ گئے چنانچہ علی رضی اللہ عنہ اور حمزہ رضی اللہ عنہ فارغ ہو کر ادھر متوجہ ہوئے اور عقبہ کا کام نمٹا دیا۔عبیدہ رضی اللہ عنہ بالآخر غزوہ بدر میں شہادت کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔

غزوہ بدر کے پہلے شہید

پھر جب دونوں لشکر گتھم گتھا ہوئے اور ایک دوسرے سے بالکل قریب ہو کر جنگ شروع ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’چلو بڑھو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔‘‘

عمیر بن الحمام نے یہ جملہ سنا تو عرض کرنے لگے:

’’یا رسول اللہ وہ جنت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں

کہنے لگے: ’’واہ! واہ!‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’یہ بات کیا کہہ رہے ہو؟‘‘

انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! اور کوئی بات نہیں یہ میں صرف اس خیال سے کہہ رہا ہوں کہ شاید میری قسمت میں بھی یہ جنت ہو۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں! ہاں! تمہیں یہ جنت نصیب ہوگی۔"

اس کے بعد انہوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے پھر اچانک کہنے لگے:

"اگر میں نے ان کھجوروں کے ختم کرنے کا انتظار کیا تو بہت دیر لگا دوں گا، اتنا جینے کی تاب نہیں"

یہ کہہ کر جو کھجوریں رہ گئیں تھیں پھینک دیں اور میدان جنگ میں کود پڑے۔

بالآخر شہادت سے سرفراز ہوئے اور غزوہ بدر کے پہلے شہید قرار پائے۔

نبی الملاحم ﷺ نے میدان جنگ میں آکر "شاہت الوجوہ" (یہ چہرے رسوا ہوئے) پڑھتے ہوئے مٹھی بھر خاک اور کنکریاں دشمنوں کی جانب پھینکیں تو خدائے برحق کی معجزانہ قدرت نے ہوا کے ذریعہ اس کے ذرات تمام مشرکین کی آنکھوں تک پہنچا دیئے اور وہ اس ناگہانی پریشانی سے مضطرب ہو کر آنکھیں ملنے لگے اور یہ جنگ، مسلمانوں کے غلبہ کی شکل میں بدل گئی۔

مارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رما

مشرکین کے بڑے بڑے آدمی مارے گئے اور دشمنوں کے پیر اکھڑ گئے، وہ بھاگتے تھے لیکن بھاگنے کا موقع نہ پاتے تھے۔ چنانچہ ان کے ستر آدمی قتل ہوئے اور ستر گرفتار اور باقی نے راہ فرار اختیار کی۔ تاہم بائیس صحابہ کرامؓ نے بھی جام شہادت نوش کیا۔

☆......☆......☆



(۱) قرآن پاک کی تلاوت کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔

(۲) قرآن پاک ہمیں اچھی اور بری باتوں کا فرق بتاتا ہے۔

(۳) قرآن پاک پڑھنے سے حافظہ تیز اور دماغ روشن ہو جاتا ہے۔

(۴) قرآن پاک پر عمل کرنے والا انسان دین اور دنیا میں ترقی کرتا ہے۔

(۵) قرآن پاک پڑھنے سے علم حاصل کرنے کا شوق بڑھتا ہے۔

(۶) قرآن پاک کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنے والا بندہ خوش رہتا ہے۔

(محمد ثوبان)

روشنی یا اندھیرا

محمد حسان حبیب

دسویں جماعت کے امتحانات ختم ہوئے تو زبیر نے سکون کا سانس لیا۔ وہ ایک ذہین اور محنتی طالب علم تھا، اور اب امتحانات کے بعد کچھ دن آرام کا خواہش مند تھا۔ اس کا قریبی دوست فارس بھی اس کے ساتھ خوش تھا۔

ایک دن فارس نے زبیر سے کہا:

''یار! اب تو پیپرز بھی ختم ہو گئے ہیں، آؤ آج میرے گھر چلتے ہیں، تھوڑی تفریح کریں گے۔''

زبیر نے کچھ سوچا اور پھر ہامی بھر لی۔ وہ دونوں فارس کے گھر پہنچے، جہاں انہوں نے بہت سی باتیں کیں، ہنسی مذاق ہوا، اور کچھ علمی موضوعات پر بھی گفتگو ہوئی۔ شام کو جب زبیر واپسی کے لیے نکلا تو فارس نے اسے ایک کتاب دی اور کہا:

''یہ قرآن کا ترجمہ ہے، بہت زبردست ہے، ضرور پڑھنا۔''

زبیر نے کتاب کو احترام سے تھاما اور شکریہ ادا کرتے ہوئے گھر چلا آیا۔

گھر آکر زبیر نے وہ ترجمہ میز پر رکھ دیا اور دوسرے کاموں میں مصروف ہوگیا۔ اگلی صبح جب اس کے والد کمرے میں آئے اور میز پر رکھی کتاب دیکھی تو ان کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ پریشان سے ہو گئے۔ انہوں نے کتاب کو کھول کر اس کا بغور جائزہ لیا اور پھر زبیر کو بلایا۔

''بیٹا، یہ کتاب تمہیں کس نے دی؟'' والد نے سنجیدگی سے پوچھا۔

زبیر حیران ہوا۔

''ابو! یہ فارس نے دی ہے، کہہ رہا تھا کہ یہ ترجمہ بہت اچھا ہے۔''

والد نے گہری سانس لی اور نرمی سے بولے:

''بیٹا، یہ ترجمہ قادیانیوں کا ہے۔ کیا



تمہیں معلوم ہے کہ قادیانی کون ہیں؟"

زبیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں ابو، میں نے تو ان کے بارے میں زیادہ نہیں سنا۔"

والد نے زبیر کو اپنے قریب بٹھایا اور بولے:

"بیٹا، قادیانی ایک ایسا گروہ ہے جو ختمِ نبوت کے عقیدے کو مسخ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لیکن قادیانی ایک جھوٹے نبی مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں اور اس طرح وہ اسلام کے بنیادی عقیدے سے انحراف کرتے ہیں۔"

زبیر یہ سن کر حیران ہوا:

"ابو! کیا واقعی؟ میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ کوئی ایسا دعویٰ کرسکتا ہے۔"

والد نے مزید وضاحت کی:

"بیٹا، جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمادیا:

'مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا' (الاحزاب:40)

(محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، بلکہ وہ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں، اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔)

تو اس کا مطلب ہے کہ نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ جو بھی اس کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ جھوٹا ہوگا۔"

زبیر نے سنجیدگی سے سر ہلایا اور بولا:

"کیا قادیانی مسلمان نہیں؟"

والد نے جواب دیا:

"بیٹا، قادیانی چونکہ ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں اور ایک جھوٹے نبی پر ایمان رکھتے ہیں، اس لیے علمائے کرام اور پوری امتِ مسلمہ نے انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

پاکستان میں بھی 1974 میں انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔"

زبیر نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا:

"شکر ہے کہ میں نے یہ کتاب نہیں پڑھی۔ ویسے اگر میں نے اس ترجمے کو پڑھ لیا ہوتا تو کیا ہوتا؟"

والد نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا:

"بیٹا، اللہ نے تمہیں بچا لیا۔ قادیانیوں کے کیے ہوئے ترجمے درست نہیں ہوتے۔ وہ ان میں اپنے عقائد کی ملاوٹ کر دیتے ہیں تا کہ سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرسکیں۔

تمہیں چاہیے کہ ہمیشہ مستند علمائے کرام کی لکھی ہوئی تفاسیر اور تراجم کا مطالعہ کرو۔"

زبیر نے فوراً وہ کتاب اٹھائی اور اپنے والد کو دیتے ہوئے بولا:

”ابو! آپ صحیح فرما رہے ہیں، میں فارس سے بات کروں گا اور اسے بھی اس دھوکے سے آگاہ کروں گا۔“

اگلے دن زبیر اپنے دوست فارس کے پاس گیا۔” فارس! یہ ترجمہ جو تم نے دیا تھا، تمہیں معلوم ہے کہ یہ قادیانیوں کا ہے؟“

”نہیں زبیر، مجھے تو بس کسی نے بتایا تھا کہ یہ اچھا ترجمہ ہے۔“ فارس حیران ہوا۔

” بھائی! ہمیں ہر کتاب کی تحقیق کرنی چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کسی گمراہی کا شکار ہو جائیں۔ قادیانی لوگ ختمِ نبوت کے منکر ہیں، اور ان کی کتابیں پڑھ کر لوگ ان کے دام میں آسکتے ہیں۔“ زبیر نے نرمی سے کہا۔

” زبیر! میں واقعی نہیں جانتا تھا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی بھی کتاب تحقیق کے بغیر قبول نہیں کروں گا۔“ فارس نے سر جھکا لیا۔

زبیر نے مسکرا کر اس کا کندھا تھپتھپایا۔” یہی تو اصل کامیابی ہے، کہ ہم سچ اور جھوٹ کو پہچان سکیں۔“

اس دن کے بعد زبیر نے نہ صرف خود ختمِ نبوت کے عقیدے کو مزید پڑھا بلکہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں میں بھی اس کی آگہی پھیلانے لگا۔

اس کا یقین تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اور یہی عقیدہ ہر مسلمان کے ایمان کی بنیاد ہے۔

زبیر نے اپنے دوست فارس کو بھی سمجھایا کہ اسلام میں ختم نبوت کا عقیدہ کتنا اہم ہے۔

فارس نے زبیر کی باتوں کو غور سے سنا اور اسے احساس ہوا کہ وہ کتنی بڑی غلطی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے زبیر کا شکریہ ادا کیا اور وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی بھی کسی بھی کتاب کو بغیر تحقیق کے نہیں پڑھے گا۔

زبیر اور فارس کی دوستی اب اور بھی مضبوط ہو گئی تھی۔ دونوں نے مل کر اسلام کے صحیح عقائد کو سیکھنے اور سمجھنے کا عہد کیا۔

زبیر کو احساس ہوا کہ علم ہی وہ روشنی ہے جو انسان کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال سکتی ہے، اور اس نے اپنی زندگی کو اسلام کے صحیح اصولوں پر گزارنے کا فیصلہ کیا۔

زبیر کی یہ کہانی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ ہمیں اپنے عقائد کو مضبوطی سے تھامے رکھنا چاہیے اور کسی بھی گمراہ کن عقیدے سے بچنا چاہیے۔

ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کا بنیادی ستون ہے، اور ہمیں اس پر پورا ایمان رکھنا چاہیے۔

☆......☆......☆

صبغۃ اللہ

وجیہہ عمران

میں نے آنکھیں بند کر کے اس لمحے کو محسوس کیا۔ پتھروں کی سختی کے باوجود، میں نے ان کے درمیان سکون پایا۔

مجھے بے اختیار کچھ یاد آنے لگا، جیسے ماضی کی کوئی جھلک میری سوچ کو یہاں تک لے آئی تھی۔

لاہور سے کراچی کی ٹرین سفر پر رواں دواں تھی، میں کھڑکی کے قریب بیٹھی تھی، باہر کا منظر دلکش تھا، بارش کی ہلکی ہلکی بوندیں کھڑکی سے ٹکرا کر میری طرف آرہی تھیں، کچھ بوندیں میرے منہ پر بھی گر رہی تھیں۔

ٹرین کے ڈبے میں میرے علاوہ تین عورتیں تھیں، وہ آپس میں ہنسی مذاق کر رہی تھیں، ان کی ایک طرف سیٹ پر پھولوں کا بوکے رکھا ہوا تھا، ان کے ساتھ دو بچیاں بھی تھیں، جو اپنی ماں کے ساتھ کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

ان میں سے ایک عورت نے دوسری کا نام سارہ پکارا اور مجھے بھی کھانا دینے کا اشارہ کیا، سارہ نے مجھے بھی کھانے کے لیے کہا۔ میں نے شکریہ کہا۔

ان میں سے ایک بچی نے کہا، میں نے یہ سبزی نہیں کھانی، اس کا ذائقہ اچھا نہیں ہے، نہ ہی اس کی سمیل اچھی ہے، اور یہ ٹھنڈا بھی ہو گیا ہے، اس نے ناک سکیڑ کر دوسری طرف منہ کر لیا۔

دوسری بچی جو سیٹ پر بیٹھی تھی، وہ بظاہر اس سے تھوڑی بڑی لگ رہی تھی۔

وہ اسی پل کھڑی ہوئی اور بولی:

”دیکھو! ماہ نور! کھانے کو ایسے نہیں کہتے، سب کھانے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، ہم کسی بھی کھانے کا انکار نہیں کر سکتے۔“

”صبا! مجھے نہیں کھانا، مجھے یہ سبزی پسند نہیں ہے“ ماہ نور کھانے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”ہم کھانے پر منہ نہیں بناتے اگر تمہیں نہیں کھانا تو چکھ ہی لو لیکن انکار نہ کرو!“



میری توجہ ان بچیوں کی گفتگو پر مرکوز تھی۔

ان کی ماں سارہ نے ماہ نور کو اپنے قریب کھینچ کر پیار سے اس کا چہرہ تھپتھپایا اور کہا۔

''دیکھو! ماہ نور بیٹا! جب ہمیں کوئی چیز اچھی نہیں لگتی تو ہم کیا کرتے ہیں؟ ہم اس چیز میں ''صبغت اللہ'' دیکھتے ہیں۔تو پھر سبزیاں کیا ہیں؟'' ''صبغت اللہ'' ہے نا؟'' ماں نے محبت سے جیسے کچھ یاد دلانے کی کوشش کی۔

''چلو، شاباش! بسم اللہ پڑھ کر، کھالو!''

اس کے بعد ماہ نور نے کھانا شروع کر دیا۔

میں نے جب اس بچی کو دیکھا، تو میری آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ وہ اتنی آسانی سے، صرف ایک لفظ ''صبغت اللہ'' کہنے پر مان گئی اور خوشی سے کھانے لگی، جیسے کہ وہ کوئی بڑا انعام حاصل کر رہی ہو۔

میں خود بھی سبزیوں سے دور رہتی تھی، میں نے بے اختیار سارہ سے پوچھ لیا۔

''سارہ! آپ ''صبغت اللہ'' یعنی اللہ کے رنگ کو کیسے بیان کرتی ہیں؟ میں جاننا چاہتی تھی کہ اس لفظ نے اس بچی کے دل میں کیا خوشی بھری ہے؟''

سارہ نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔

''میں نے جب سے ہر شے میں صبغت اللہ دیکھا ہے، میری زندگی پہلے جیسی نہیں رہی، اس لفظ نے میری زندگی میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ کیا تم نے کبھی غور کیا ہے؟''

سارہ کی آواز میں ایک خاص محبت اور جاذبیت تھی، وہ میرے مقابل بیٹھی تھی۔

''لیکن سبزیاں بہت سے لوگ پسند نہیں کرتے، مجھے بھی کچھ سبزیاں پسند نہیں ہیں۔

آپ نے اپنی بیٹی سے صبغت اللہ لفظ کہا، وہ نہ صرف کھانے کے لیے مان گئی بلکہ خوش بھی ہوئی'' میں سارہ کے تھوڑا قریب ہوئی۔

مجھے سمجھ نہیں آیا، وہ ہر شے میں صبغت اللہ کیسے دیکھتی ہے۔

''جب ہم سبزیوں کی بات کرتے ہیں، تو ہمیشہ یہی کہتے اور سنتے ہیں، کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، ان میں مختلف رنگ، شکلیں، اور ذائقے دیکھتے ہیں۔

لیکن پھر بھی ہم ان کا انکار کرتے ہیں، میں نے ان میں اللہ کا رنگ دیکھا ہے، جب گھر میں کچھ پکایا جاتا ہے، تو آپ کا منہ بن جاتا ہے، مجھے یہ نہیں کھانا، وہ نہیں کھانا وغیرہ وغیرہ۔ کچھ پسند بھی نہیں ہوتا لیکن ہر دوسری سبزی کو ناپسند کرنا نہایت ناپسندیدہ عمل ہے۔

خاص طور پر بچوں کا۔ ماں بچوں کو کچھ اور بنا دیتی ہے، تاکہ ان کے بچے بھوکے نہ رہیں لیکن انھیں کھانے کے فوائد اور نعمتوں کی قدر نہیں بتاتی۔

میں نے جب سے ہر شے میں اللہ کا رنگ دیکھنا شروع کیا ہے میں نے کسی کھانے والی چیز کا انکار نہیں کیا۔ مجھے اپنے ہوسٹل کے دن یاد آنے لگے، مانا کہ وہاں کھانا اتنا اچھا نہیں ہوتا تھا،

لیکن میں گھر بھی ہر دوسری سبزی پر منہ بناتی تھی۔"

سارہ نے میرا ہاتھ تھاما۔

"اس لفظ کے پیچھے چھپے راز اور معانی پر غور کرنا ان کو گہرائی سے محسوس کرنا زندگی میں مثبت سوچ، حالات اور خوشی کے لمحات کو صبغت اللہ بنانا ضروری ہے۔"

ٹرین کے ڈبے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی، عورتیں اور چھوٹی بچیاں سارہ کی باتوں کی طرف متوجہ تھیں۔

سارہ کا لہجہ اتنا نرم تھا کہ مجھے اس سے باتیں کرنے میں دلچسپی ہو رہی تھی۔

"سبزیاں اللہ نے آپ کے لیے پیدا کی ہیں، آپ اس نعمت پر منہ بناتے ہیں، ان کا ذائقہ اچھا نہیں ہے۔ یہ کڑوی ہیں، ان کی سمیل اچھی نہیں ہے لیکن جب آپ ان میں صبغت اللہ دیکھ کر کھائیں گیں تو نوالہ ضرور حلق سے اترے گا۔

جب آپ کا کوئی چیز کھانے کا دل نہ کرے، یا کوئی سبزی آپ کی پسند کی نہ پکے، تو آپ نے بس یہ سوچ لینا ہے، کہ یہ اللہ کی نعمت ہے، یہ اللہ نے خاص میرے لیے بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے فائدے کے لیے بنائی ہے۔ اس سبزی کا رنگ کتنا خوبصورت ہے، اس کا ذائقہ اللہ نے بنایا ہے، اس کی شکل بہت پیاری ہے، لیکن میں اس کا انکار کروں؟ اس پر منہ بناؤں؟ نہیں نہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کی قدر کرنی ہے۔

لیکن پھر بھی اگر کسی سبزی کا ذائقہ اچھا نہیں لگ رہا تو کھانے کی کوشش ضروری کرنی ہے، بس اسے اپنے لیے خاص نعمت سمجھ کر چکھنا ضرور ہے۔ آہستہ آہستہ ہم خود ہی عادی ہو جاتے ہیں اور پھر وہ چیزیں اپنے آپ اچھی لگتی ہیں۔ میں اپنی بیٹیوں کو بھی ہر شے میں صبغت اللہ دکھاتی ہوں۔"

سارہ نے مسکرا کر کہا۔

"جب تمہیں کوئی چیز اچھی نہ لگے تو تم اس میں صبغت اللہ ڈھونڈا کرو، غور و فکر کیا کرو! اور بچوں کو بھی یہی بتانا چاہیے، بچے بھی اسی لیے چیزوں میں نہ پسندیدگی ظاہر کرتے ہیں، کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر اللہ کی حکمت دکھانے کی بجائے ان کی بات مان لی جاتی ہے اس طرح ان کی وہی عادتیں بن جاتی ہیں۔

بات صرف سبزیوں کی نہیں ہے۔ ہر شے میں صبغت اللہ ہے، میری بیٹیاں بھی اب ہر شے میں صبغت اللہ دیکھتی ہیں۔ جیسے یہ پھول ہیں"

سارہ نے اپنے قریب پڑے پھولوں کے بوکے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے قدرت کی خوبصورتی میں صبغت اللہ دیکھا ہے۔ میں نے لوگوں کے لہجوں پر غور کیا ہے۔ تلخ لہجوں کا سامنا کیا ہے۔ لیکن ان میں بھی صبغت اللہ دیکھا ہے، اور برداشت کیا ہے۔

جب ہم ہر چیز میں اللہ کی نشانیوں کو دیکھتے ہیں، تو ہماری سوچ مثبت ہو جاتی ہے، پھر ہمیں

کچھ برا نہیں لگتا۔

پھر کھانے کا انکار نہیں کرتے، ہے نا؟'' سارہ نے کھانے کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

''آؤ! یہاں بیٹھو! تم بھی کھاؤ!''

مجھے احساس ہوا، سارہ کی آنکھوں میں ایک چمک تھی، وہ واقعی چاہتی تھی کہ میں ان کے ساتھ بیٹھوں، میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

کھانے کی خوشبو نے فضا کو مہکایا ہوا تھا، اور ان کی دوستانہ گفتگو نے ماحول کو مزید خوشگوار بنا دیا تھا۔ ٹرین کے ڈبے میں یہ ایک عام سا لمحہ تھا لیکن اس کی سادگی میں ایک خاص جاذبیت تھی، جو مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔

کبھی کبھی ایک اجنبی انسان سے ملاقات سوچ کا زاویہ بدل دیتی ہے۔ ہم کسی جگہ جاتے ہیں یا کسی سے ملتے ہیں، سب کچھ پہلے سے طے ہوتا ہے، اللہ کی حکمت ہمیں ان جگہوں اور لوگوں کی طرف لے جاتی ہے جو ہمارے بہتر انسان بننے کا ذریعہ بنتے ہیں، اس دن کے بعد میں نے اس لفظ کی اہمیت پر غور کیا، تو بہت کچھ بدلنے لگا، اسے گہرائی تک سمجھنے کے لیے میں نے بہت دیر کر دی۔

سمندر کی لہریں جیسے ایک سرگوشی میں مجھ سے باتیں کر رہی تھیں، ان کی آواز میں ایک خاص سکون تھا جو میرے دل کو چھو رہا تھا۔

دور کہیں سے دوڑتے گھوڑے کی آواز میرے قریب آ رہی تھی، میں نے نظر اٹھا کر ایک طرف دیکھا ایک سیاہ عبائے میں ملبوس لڑکی، اس پر سوار تھی، اس کا عبایا ہوا میں تیر رہا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک کمان تھی جس سے وہ تیر کھینچ رہی تھی، جب گھوڑا اپنے پیروں کو ریت میں دباتا، تو ایک چھوٹا سا طوفان اُٹھتا۔

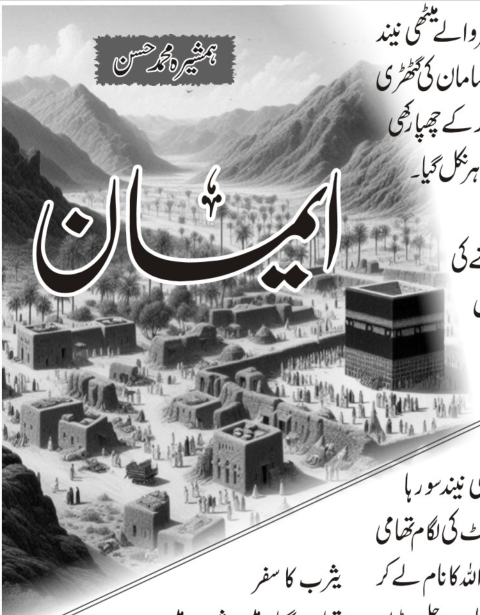
وہ لڑکی پردے میں تھی، میں نے پردے میں بھی اللہ کا رنگ دیکھا، اللہ تعالیٰ بھی پردے کے پیچھے ہیں اور پردے کو پسند کرتے ہیں، ہمیں آخرت میں اللہ کا دیدار کرنے کے لیے دنیا میں پردے کا اہتمام کرنا ہوگا۔

لوگوں کی برائیوں پر پردہ ڈالنا چاہیے، نیکی کے کاموں کو بھی پردے میں رکھنا چاہیے، اپنے ذاتی راز اور اپنی صلاحیتوں کو لوگوں سے چھپانا چاہیے، تاکہ ہم اپنے اندر کی خوبصورتی کو محفوظ رکھ سکیں اور اپنی زندگی میں سکون حاصل کر سکیں۔

صرف یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ ہر چیز ''صبغت اللہ'' ہے، جب ہر شے میں اللہ کا رنگ دیکھ کر غور و فکر کرتے ہیں تو ان کے اندر کئی گہرے معانی ملتے ہیں۔ ہر چیز میں مثبت پہلو موجود ہوتے ہیں، بس ان کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

''ہم نے اللہ کا رنگ اپنے اوپر چڑھا لیا اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہے؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔'' (القرآن)

☆☆......☆☆.....☆☆



ایمان

ہمشیرہ محمد حسن

رات بھیگ چکی تھی۔تمام گھر والے میٹھی نیند سو رہے تھے۔میں چپکے سے اٹھا۔سامان کی گٹھڑی اٹھائی، جو میں نے پہلے سے تیار کر کے چھپا رکھی تھی، دبے پاؤں چلتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔ گلیاں سنسان پڑی تھیں۔

ہر طرف سے کتوں کے بھونکنے کی آواز آرہی تھی۔میں سیدھا مویشیوں کے طویلے میں گیا جہاں ہمارے مویشی اور جانور بندھے رہتے تھے۔اتفاق سے اس وقت طویلے کا چوکیدار بھی گہری نیند سو رہا تھا۔میں نے خاموشی سے ایک اونٹ کی لگام تھامی اور اسے طویلے سے باہر لے آیا۔اللہ کا نام لے کر اس پر سوار ہو گیا اور تن تنہا یثرب کی طرف چل پڑا۔ راستے میں سوچتا رہا کہ جب گھر والے جاگیں گے اور مجھے اپنے بستر پر نہیں پائیں گے تو پریشان ہوں گے۔

خاص طور پر میری ماں بڑی رنجیدہ ہو گی ،کیونکہ میں ماں کا لاڈلا تھا۔

وہ مجھے خود سے ایک پل دور نہیں کر سکتی تھی ۔مجھے بھی اپنی اماں سے بہت محبت تھی، میں ہر وقت ان کی خدمت گزاری میں لگا رہتا تھا ۔ میرے علاوہ کوئی بھی ان کی اتنی خدمت نہیں کرتا تھا جتنی کہ میں کرتا تھا۔

بہر حال ان سوچوں میں غلطاں اور پیچاں یثرب کا سفر تمام ہو گیا۔میں یثرب میں اپنے ہم مذہب بھائیوں کے ساتھ رہنے لگا۔وہ میری بڑی عزت کرتے تھے۔میں ان میں رہتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا تھا۔گھر کی فکر بھی کم ہو گئی تھی۔

ایک دن اچانک میرے دو بھائی میرے پاس یثرب میں پہنچ گئے۔ان میں ایک تو ابو جہل تھا اور دوسرا حرث بن ہشام تھا۔یہ دونوں میرے ماں کی طرف سے بھائی لگتے تھے۔دونوں بڑے تیز طرار تھے۔میرے پاس آ کر کہنے لگے:

”عیاش! تم چپکے سے یہاں آ گئے۔بتایا بھی نہیں۔تمہیں پتہ ہے کہ تمہاری ماں تمہارے بغیر

نہیں رہ سکتی۔ جب سے تم گئے ہو وہ نہ تو کھاتی ہے اور نہ پیتی ہے۔ ہر وقت تمہیں یاد کر کے روتی رہتی ہے۔اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ جب تک عیاش کو نہیں دیکھ لے گی اس وقت تک وہ نہ تو نہائے گی نہ بالوں کو کنگھا کرے گی اور نہ ہی سائے میں بیٹھی گی۔اب ہم تمہیں لینے کے لئے آئے ہیں۔تم ہمارے ساتھ چلو۔اپنی ماں کو تسلی دو۔ورنہ وہ اس حال میں۔اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی گی‘‘

ان کی باتیں سن کر میرا دل پسیج گیا۔مگر میں نے ذرہ دل سخت کر کے جواب دیا:

’’میں اللہ کے حکم سے اس کی رضا کی خاطر یہاں آیا ہوں۔اب میں واپس کیسے جا سکتا ہوں؟‘‘

انہوں نے فوراً کہا:

’’یہ بھی تو اللہ کا حکم ہے کہ ماں باپ کی خدمت کرو۔ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ان کا دل نہ دکھاؤ! میں نے کہا، ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن میں ماں کو چھوڑ سکتا ہوں لیکن اپنے ایماں کو نہیں چھوڑ سکتا‘‘

انہوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا:

’’یار! تم اپنے ایمان پر پکے رہو! آپ کے ایمان کو کس نے چھیڑنا ہے۔بس تم اپنی ماں کے پاس رہو۔اسے خوش رکھو۔ہم تمہیں خوش رکھیں گے۔تمہارے دین میں دخل نہیں دیں گے۔ تمہیں پوری آزادی ہو گی کہ تم اپنی مرضی سے عبادت کرتے رہنا جیسے تم یہاں کرتے ہو! تم اگر واپس بھی آنا چاہو تو ہماری طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ہو گی‘‘

میں ان کی باتوں میں آ گیا۔چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔البتہ میں نے ان سے کہا:

’’میں ذرہ اپنے دوستوں سے مشورہ کرلوں۔ پھر میں آپ کو بتاؤں گا کہ میرا کیا ارادہ ہے؟‘‘

چنانچہ میں نے دوستوں سے اس بارے میں مشورہ کیا۔آنحضور ﷺ تو ابھی تک مکہ سے مدینہ تشریف نہیں لائے تھے۔البتہ حضرت عمرؓ مدینہ پہنچ گئے تھے۔میں نے ان سے پوچھا:

’’مجھے مشورہ دیجئے کہ میں کیا کروں؟ میرے بھائی مجھے لینے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ میری ماں کا حال خراب ہے۔وہ نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔دھوپ میں بھوکی پیاسی پڑی رہتی ہے۔کہتی ہے کہ جب تک میں عیاش کو نہیں دیکھوں گی نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور نہ ہی نہاؤں گی اور نہ ہی بالوں میں کنگھا کروں گی‘‘

حضرت عمر نے جواب دیا:

’’تمہارے بھائی فریبی اور دھوکے باز ہیں، وہ تمہیں دھوکے سے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔تم ان کے دھوکے میں نہ آنا‘‘

میں نے کہا:

’’میں بھی یہ بات سمجھتا ہوں، لیکن مجھے اپنی ماں کا ڈر ہے کہ وہ کہیں میرے غم میں گھل گھل کر جان سے ہاتھ ہی نہ دھو بیٹھے‘‘

انہوں نے کہا:

"ماں کی آپ فکر نہ کریں۔ انہیں جب بھوک ستائے گی تو وہ کھالیں گی۔ جب دھوپ تنگ کرے گی تو وہ نہالیں گی۔ جب انہیں جوئیں پریشان کریں گی تو وہ سر میں کنگھا کریں گی"۔

میں نے کہا، ہاں بات تو ٹھیک ہے لیکن وہ ایسا بہت دیر بعد کریں گی۔ جب وہ مرنے لگیں تھی تو شاید پھر ایسا کریں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں بھائیوں کے ساتھ چلا جاؤں۔ انہیں مل آؤں اور جو پیسے اپنے گھر چھوڑ آیا ہوں وہ بھی لیتا آؤں"

حضرت عمر نے کہا، اچھا اگر آپ نے جانا ہی ہے تو پھر ان کی اونٹنی پر مت بیٹھیے! میری یہ اونٹنی لے جائیے! بڑی اصیل اور سیدھی اونٹنی ہے۔ آپ اس پر بیٹھ جائیں۔ یہ آپ کو مکہ لے جائے گی۔ اگر کہیں آپ خطرہ محسوس کریں تو اسے موڑ لیں یہ تمہیں بھگاتے ہوئے مدینہ لے آئے گی۔

میں نے ان کا مشورہ مان لیا اور ان کی اونٹنی پر بیٹھ کر بھائیوں کے ساتھ مکہ روانہ ہو گیا۔ وہ میرے ساتھ چلتے رہے اور باتیں کرتے رہے۔ وہ اپنی اپنی اونٹنیوں پر سوار تھے۔ راستے میں ایک جگہ ابو جہلنے اپنی اونٹنی روک کر مجھے کہا: بھائی! تم مجھ پر ایک مہربانی کر سکتے ہو؟

میں نے کہا، کیا مہربانی چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟

اس نے کہا، میری یہ اونٹنی مجھے بڑا تنگ کر رہی ہے۔ آپ لوگوں کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ کیا اچھا ہو کہ آپ مجھے اپنی اونٹنی پر اپنے ساتھ پیچھے بٹھالیں!

میں نے کہا، کوئی نہیں! بیٹھ جائیں!

وہ فوراً اپنی اونٹنی سے نیچے اترا اور جلدی سے اچھل کر میرے پیچھے اونٹنی پر بیٹھ گیا۔ میں نے اونٹنی کی لگام پکڑی اور چل پڑا۔

میں اپنے خیال میں بیٹھا تھا کہ اس نے پیچھے سے میری گردن میں ہاتھ ڈال دیا۔ میں نے چھڑانے کی کوشش کی۔ اس کشمکش میں ہم دونوں اونٹنی سے نیچے گر گئے۔ ابو جہل کا ساتھی حرث فوراً اس کی مدد کو پہنچ گیا۔

دونوں نے مل کر میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور مجھے اٹھا کر اپنی اونٹنی پر لاد دیا اور مکہ چل پڑے۔

میں انہیں برا بھلا کہنے لگا۔ وہ کچھ دیر سنتے رہے پھر ایک جگہ اونٹنی کھڑی کر کے مجھے خوب زد و کوب کیا۔ انہوں نے مجھ پر سو سے زیادہ کوڑے برسائے۔ جس سے میرا جسم سوج گیا اور میں زخمی حالت میں مکہ پہنچا۔ مکہ کے لوگ مجھے یوں بندھا ہوا دیکھ کر بڑے ہنسے۔ طنزاً کہنے لگے: اس بے چارے کا کیا حال بنا دیا ہے۔

ابو جہل نے کہا، جیسے ہم نے اس بے وقوف کا حال کیا ہے۔ تم بھی اپنے بیوقوفوں کا یہی حال کرو۔ یہ لوگ اسی طرح سے ٹھیک رہتے ہیں؟

وہ لوگ اس طرح کی باتیں کرتے رہے اور میرے زخموں پر نمک پاشی کرتے رہے۔ میں

اب پوری طرح سے ان کی گرفت میں تھا۔انہوں نے مجھے لاکرایک کوٹھڑی میں بند کردیا۔

جس میں مجھ سے پہلے ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ مقید تھے۔وہ بے چارے بھی میری طرح اللہ کے حکم پراس کی رضااورخوشنودی کی خاطرمکہ چھوڑ کرمدینہ جارہے تھے کہ راستے میں ظالموں نے انہیں پکڑلیااورقید کرلیا۔

ہم دونوں عرصے تک ان کی قید میں رہے۔ وہ ہمیں طرح طرح کی اذیتیں دیتے۔ہمارے ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں ڈال دیتے۔ ہم بھو کے پیاسے دھوپ میں پڑے رہتے۔

میری ماں مجھے اس حال میں دیکھتی تو کہتی:

”بیٹا!اپنے اوپر رحم کرو۔اتنی ضد نہ کرو۔جیسے یہ لوگ کہتے ہیں ویسے مان لو!محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)کادین چھوڑکردوبارہ باپ داداکے دین پرآجاؤ! تمہیں ان مصیبتوں سے چھٹکارامل جائے گا“

میں کہتا:ماں! میں آپ کی خاطر یہاں آیا تھا۔اب آپ اس طرح کی باتیں کرتی ہیں۔خداکی قسم!میں یہ سب کچھ برداشت کرسکتاہوں لیکن دین کی اہانت برداشت نہیں کرسکتا۔میں اس حال میں جان دے دوں گا،لیکن ایمان پرحرف نہیں آنے دوں گا!

میری ماں، میری باتیں سن کر چپ ہو جاتیں۔میں اورمیراساتھی یوں ظلم کی چکی میں پستے رہے۔ یہاں تک کہ ولید بن ولید ہمت کر کے ہمیں رات کی تاریکی میں ظالموں کی قید سے نکال کرلے گئے۔

یہ ولید بن ولید رضی اللہ عنہ بڑے جگرے والے جوان تھے۔ غزوہ بدر کے بعد ایمان لائے۔ ان کے ایمان لانے کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ اورایمان افروز ہے۔

وہ غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ لڑنے آئے تھے،مگر لڑائی میں وہ ہار گئے اورقیدی بنالیے گئے۔ان کے بھائی خالد بن ولید اور ہشام بن ولید انہیں فدیہ دے کرمدینہ سے چھڑا کر لے گئے جب وہ مکہ پہنچے تووہ مسلمان ہوگئے۔

بھائیوں کو اس بات سے بڑا دکھ پہنچا انہوں نے ولید سے کہا: بیوقوف! اگرمسلمان ہونا تھا تو وہیں مدینہ میں ہو جاتے تیری جان بچ جاتی اور ہمیں فدیہ کے پیسے بچ جاتے ولید نے کہا:

مجھے یہ بات پسند نہ تھی کہ میں جان بچانے کے لئے ایمان قبول کرتا۔میں اپنے بارے میں یہ بات سننا گوارہ نہیں کرتا کہ لوگ کہیں کہ ولید جان کے خوف سے ایمان لے آیا۔

فدیہ کاغم نہیں۔وہ مجھ سے لے لیں۔میری ساری جائیداد اور جمع پونجی آپ لوگ لے لیں اور میرا راستہ چھوڑ دیں تاکہ میں مدینہ جاکر رسول اللہ ﷺ کی قدموں میں زندگی گزاروں؟

بھائیوں نے ان کی بات مان لی اورانہیں

مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔

ادھر آنحضور ﷺ ان کے لئے اور دوسرے کمزور مسلمانوں کے لئے جو مکہ میں کفار کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے، دعائیں مانگ رہے تھے۔

صبح کی نماز میں آپ چالیس دن تک یہ دعا مانگتے رہے:

''اے اللہ! ولید بن ولید، عیاش بن ابی ربیعہ، ہشام بن عاص اور دوسرے کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرما جو مشرکوں کے ہاتھوں گرفتار ہیں اور اپنی رہائی کے لئے نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ کوئی راہ نکال سکتے ہیں۔''

ولید بن ولید رضی اللہ عنہ جب کفار کی قید سے رہائی پا کر مدینہ پہنچے تو آنحضور انہیں دیکھ کر باغ باغ ہو گئے۔ وہ مدینہ میں سکون کے ساتھ رہنے لگے۔لیکن ان کا دل مکہ کے ان قیدی ساتھیوں کے ساتھ اٹکا ہوا تھا،جنہیں وہ چھوڑ کے آئے تھے۔

جونہی انہیں موقع لگا وہ ایک تیز رفتار اونٹنی پر بیٹھ کر مکہ روانہ ہو گئے۔کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔مکہ پہنچ گئے۔جب وہ مکہ پہنچے رات پوری طرح بھیگ چکی تھی۔پہرہ داروں کی نظروں سے بچتے ہوئے سیدھے اس مکان کی طرف گئے جس میں ہشام اور عیاش قید تھے۔ وہ دیوار پھلانگ کر اندر گئے۔ان کے بندھن کھولے اور دونوں کو مدینہ چلنے کے لئے کہا۔

وہ پہلے ہی چلنے کے لئے بے تاب تھے۔

تینوں دوست اونٹنی پر بیٹھ کر چپکے سے نکل گئے اور منزلیں طے کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے۔

اہل مکہ کو جب پتہ چلا کہ ان کا شکار ان کے دام سے نکل چکا ہے تو وہ سر پیٹتے رہ گئے۔ادھر اہل مدینہ اپنے قیدی ساتھیوں کے ساتھ مل کر بہت خوش ہوئے۔

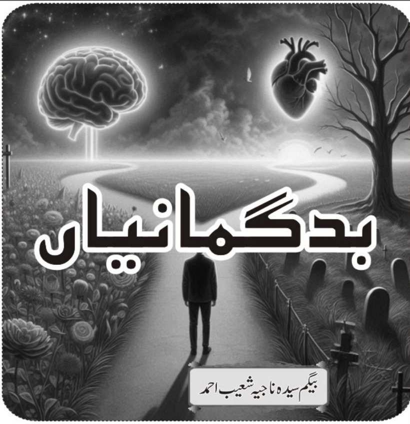
آنحضور ﷺ نے ان کی رہائی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔جس نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔

عیاش بہت نیک دل آدمی تھے۔ ماں انہیں بہت یاد آتی تھیں لیکن وہ اب اللہ کے دین کی خاطر اپنی ماں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ چکے تھے اور تمام رشتہ داروں اور عزیزوں کو چھوڑ چکے تھے کیوں کہ ان کے نزدیک دینی رشتے سے بڑھ کر اور کوئی رشتہ نہ تھا۔اسی کے لئے وہ اپنا تن من دھن قربان کر چکے تھے۔

(یہ تھے عیاش بن ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ جنہوں نے اسلام کی خاطر بڑے دکھ جھیلے بالآخر اسلام کے دشمنوں کے ساتھ لڑتے ہوئے یرموک کے میدان میں شہید ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے۔ وہ بڑے وفا کیش اور وفا شعار انسان تھے)

☆☆.....☆☆.......☆☆



بدگمانیاں

بیگم سیدہ ناجیہ شعیب احمد

چھوٹی سی حالہ کے دل میں اپنے سگے والد کی نفرت کا بیج پھوٹ گیا تھا۔ جسے غلط فہمی، بدگمانی اور بدظنی سینچ رہے تھے۔

نگہت نسیم کے انتقال کے بعد بچوں کی اچھی پرورش اور دیکھ بھال کے لیے دوسری امی کا بندوست کرنا اشد ضروری ہوگیا تھا۔ دونوں بچے چھوٹے اور ناسمجھ تھے۔

تابندہ بانو ایک بیوہ اور بے اولاد خاتون تھیں۔ جنہوں نے دونوں بچوں کو دل و جان سے قبول کر لیا تھا۔ مگر حالہ کے ننھیال والوں نے معصوم بچی کے کانوں میں سگے باپ اور نئی امی کے خلاف زہر اُگل دیا۔ جس کے نتیجے میں وہ دونوں سے سخت متنفر ہوگئی۔ وہ چھوٹے سے دل میں اپنے ابو جی کے لیے کینہ لے کر بیٹھ گئی تھی۔

ناسمجھ بچی کو تصویر کا ایک رخ دیکھایا جا رہا تھا۔ باتوں کو توڑ موڑ کر پیش کیا گیا تھا کہ وہ اسی کو سچ سمجھ کر ابو سے شدید نفرت کرنے لگی تھی۔ اسے نئی امی سے بھی سخت چڑ ہوگئی تھی۔ ان کی ہر بات کا الٹ کرتی۔

برا تو یہ ہوا کہ اس کے نفرت آمیز رویے اور انداز پر نئی امی نے تنتنا کے بولنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اسے باتیں سنانے لگی تھیں کہ اگر آپ کی سگی امی آج زندہ ہوتیں تو آپ کی بدتمیزی پر آپ کو سخت سزا دیتیں۔ یہ جملہ حالہ کے مزاج پر بہت گراں گزرا تھا۔

یہیں سے سرد جنگ کا آغاز ہوا۔ یقیناً نئی امی سے فاش غلطی ہوئی تھی۔ انہیں خاموش رہ کر تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا پر۔۔۔۔۔۔

حالہ کا تلخ لہجے میں کہا گیا جملہ انہیں بولنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

”میرے لیے آپ صرف ابو کی بیوی ہیں۔ میری امی مر چکی ہیں۔ میں آپ کو اپنی امی نہیں مانتی۔“

نئی امی اسے سمجھ نہیں پائیں اور ان سے کوتاہی ہوگئی۔ احساس ہونے پر انہوں نے فوراً پہلے اللہ تعالیٰ سے اور پھر حالہ سے معافی بھی مانگی۔ وہ اپنی غلطی تسلیم کر اس بات پر کئی مرتبہ شرمندگی کا اظہار بھی کر چکی تھیں مگر افسوس! حالہ یہ بات نظر انداز کرنا نہیں چاہتی تھی۔ حالاں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو غفور الرحیم ہیں۔ درگذر فرما کر بندے کی توبہ قبول کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو معاف کر دیتا ہے مگر اس کے بندے معاف نہیں کرتے۔ چھوٹی سی لڑکی

نے انا کی چادر لپیٹ لی اور اکڑ کر بولی۔
"میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔"
انا اور اکڑ تو اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں۔ ایسی نازک صورتحال سے نمٹنے کے لیے ابو نے امی سے بات کی۔ وہ دونوں سخت مخمصے میں پڑ گئے تھے کہ ھالہ لڑکی ذات ہے کل کو دوسرے گھر جائے گی۔ اکڑ، بغض وکینہ پروری تو خاندان کے خاندان اجاڑ دیتی ہے۔ یا اللہ مدد! اس نادان بچی کو کیسے سمجھائیں؟ دونوں میاں بیوی نے تہجد میں رقت آمیز دعائیں مانگنا شروع کر دیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی مدد آ گئی۔

زوہیب احمد ایک بہت دور اندیش اور جہاں دیدہ انسان تھے۔ انہوں نے جان لیا تھا کہ سختی اور ترش روی مسئلے کا واحد حل نہیں۔ جھکانے کے لیے جھکنا ضروری ہے۔ خوب سوچ بچار کے بعد انہوں تابندہ بیگم کے سامنے درخواست کرتے ہوئے کہا۔

"بیگم! آپ بڑی اور سمجھدار خاتون ہیں۔ وہ ناسمجھ اور نادان ہے۔ بڑے ایثار وقربانی دے کر چھوٹوں کا دل جیت سکتے ہیں۔ میں آپ کو گرانا یا بے عزت کرنا نہیں چاہتا۔ بس اتنی سی گزارش ہے میری رفیقہ حیات! میری بچی کی دنیا و عاقبت سنوارنے میں میرا ساتھ دے دیجیے۔"

تابندہ بیگم نے نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تو زوہیب احمد جی اٹھے۔

ابو نے بہت شفقت اور محبت سے بچی کو اپنے قریب کرنے کے لیے اس کی ہر خطا، بدتمیزی، بے ادبی، بدسلوکی کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا۔ بلکہ وہ اس کے لیے پہلے سے زیادہ فکرمند رہنے لگے تھے۔ اس کی ہر ضرورت اور خواہش منہ سے نکلنے سے پہلے پوری ہو جاتی۔

امی جن کی شفقت اور مہربانی اسے ڈھکوسلہ اور مصنوعی لگتی تھی۔ امی اس کی بدتمیزی کی وجہ سے کھچ گئی تھیں۔ وہ تو اس سے سوری کرنے کے بعد بالکل بدل گئی تھیں۔ ھالہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ ارے میں گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاؤں یا نہیں، کمرا پھیلاؤں، نقصان کروں، بدتمیزی کروں یہ چپ چاپ دیکھتی ہیں۔ اف! پہلے کتنا بولتی تھیں اب کچھ کیوں نہیں کہتی۔ اس کے پاس ابو امی کے لیے خود کو بدلنے کے سوا اب کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔

ابو کا غصہ، امی کی باتیں، روک ٹوک نے اسے باغی اور بدتمیز بنا دیا ہے یہ بات امی ابو اچھی طرح جان گئے تھے۔ اپنی غلطی تسلیم کر کے اسے سدھارنا بڑے ظرف کی بات ہے۔ اپنوں کی دنیا و آخرت برباد ہونے سے بچانے کے لیے بڑی تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔ نفس کو مار کر، انا کو ختم کر کے ہی اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

امی نے صرف اللہ کی خاطر ابو کی بات کا مان رکھتے ہوئے بیٹی کی غلطیوں، بدتمیزیوں کو نظر انداز کیا تو بیٹی کا دل گداز ہو گیا۔ اسے سبق ملا کہ بڑے صرف عمر رشتے اور قد وقامت میں بڑے نہیں ہوتے بلکہ وہ ظرف، ایثار، محبت و شفقت میں بھی بڑے ہوتے ہیں۔



معجزات

ام کلثوم

قلم ہاتھ میں لئے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ سرورِ کونین، حضرت محمد مصطفی ﷺ کی سیرت مطہرہ کے کون کون سے پہلو کو زیب قرطاس کیا جائے؟

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ تو ایک اتھاہ سمندر ہے، اگر اس کے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھا جائے تو صفحات، کتابیں اور سیاہیاں تو ختم ہو سکتی ہیں لیکن نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کو کما حقہ احاطہ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔

بالآخر غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ یہودی و عیسائی اور دیگر منکران حق یہ اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ محمد رسول ﷺ کو کوئی معجزہ نہیں ملا اور نہ ہی آپ ﷺ کا کوئی معجزہ تھا۔ اس کے برعکس کتب حدیث و سیرت ظاہر آپ ﷺ کے معجزات سے بھری پڑی ہیں۔

آپ ﷺ کی ذات اقدس سابقہ تمام انبیاء و رسل کے معجزات و کمالات کی جامع ہے۔ اس سلسلے میں کتب حدیث و سیرت کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کے چند معجزات پیش خدمت ہیں۔

اللہ سرور کائنات ﷺ کو قدرت کی طرف سے جو معجزات عطا ہوئے انکی تعداد بہت زیادہ ہے، امام بیہقی اور احناف میں سے علامہ الزاہدی نے معجزات نبوی ﷺ کی تعداد ایک ہزار جبکہ امام نووی (صاحب شرح صحیح مسلم) نے بارہ سو اور بعض نے تین ہزار تک بیان کی ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری از ابن حجر العسقلانی بید (۸۵۴-۷۷۳) مطبوعہ قاہرہ و لاہور ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء، صفحہ نمبر ۶۸۳ جلد نمبر ۶)

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے الخصائص الکبری میں ایک ہزار معجزات شمار کئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ایسے ہیں جو مستند اور معتبر روایات سے منقول ہوئے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا بھی اس زمانے کے کسی آدمی سے انکار ثابت نہیں۔

(ایضاً صفحہ نمبر ۵۸۲)

(الف) معجزات خیر و برکت

امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوطلحہ زید بن سہیل انصاری نے ایک مرتبہ آپ ﷺ کی آواز سے یہ محسوس کیا کہ آپ ﷺ کئی روز سے بھوکے ہیں ۔انہوں نے اپنی بیوی ام سلیمؓ کے مشورے سے آپ ﷺ کی ضیافت کا انتظام کیا۔کھانا اتنا کم تھا کہ بمشکل ایک دو آدمیوں کو کفایت کرسکتا تھا۔مگر آپ ﷺ اپنے ساتھ ستر یا اسی صحابہ لے آئے اور کھانا منگوا کر اس پر کچھ پھونکا۔ پھر دس دس آدمیوں کی ٹولیوں نے (سات یا آٹھ مرتبہ) پیٹ بھر کر کھایا۔

ابن حجرؒ کے مطابق ۸۰ سے بھی زائد تھے۔ ان کے شکم سیر ہونے کے بعد آپ نے بھی کھایا، پھر اسی سے گھر والوں نے بھی کھایا۔مگر پھر بھی وہ کھانا بچا رہا۔(ایضاً صفحہ نمبر ۵۹)

(2) اسی طرح کی ایک روایت حضرت جابرؓ سے بھی مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر میرے والد کا لیا ہوا بہت سا قرض تھا۔ادائیگی کا واحد ذریعہ کھجوریں تھیں۔جب وہ پک گئیں تو میں اس خیال سے کہ مبادا قرض خواہ مجھ سے بدسلوکی کریں۔آپ ﷺ کو بلا کر لے گیا۔کھجوروں کے ڈھیر سے بظاہر یہ خیال بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ ان سے قرض اتارا جاسکے گا۔آپ ﷺ نے کھجوروں کے ایک ڈھیر پر چکر لگایا اور دعا فرمائی اور پھر فرمایا کہ ماپنا شروع کردو۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے قدوم میمنت کی برکت سے میں نے اسی ڈھیر سے تمام قرض چکا دیا اور پھر تقریباً اتنی ہی تعداد میں کھجوریں بچ بھی رہیں۔ (تیسیر الباری، ترجمہ و تشریح صحیح بخاری ،مطبوعہ لاہور، جلد سوم صفحہ نمبر 492.493)

(3) اسی طرح ایک صحابیہ ایک برتن میں سے حضور ﷺ کو گھی دیا کرتی تھیں، مگر اس کے باوجود جب بھی وہ اس میں ہاتھ ڈالتیں، گھی نکل آتا ۔یہاں تک کہ اس نے اس کو نچوڑ لیا۔آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم اسے نہ نچوڑتیں تو ہمیشہ اس میں سے گھی باقی رہتا۔ (مشکوۃ شریف، مترجم اردو، مطبوعہ کراچی، جلد سوم، صفحہ نمبر ۲۰۳)۔

(4) حضرت جابرؓ نے غزوہ خندق کے موقع پر آپ ﷺ کی نقاہت دیکھ کر آپ ﷺ کی دعوت کا اہتمام کیا، گھر میں موجود ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور تھوڑا سا آٹا گوندھ کر آپ ﷺ کو اطلاع دی۔کھانا اتنا کم تھا کہ بمشکل پانچ آدمیوں کا گزارہ ہوسکتا تھا مگر آپ ﷺ نے آواز دے کر اپنے ساتھ پورے لشکر کو بلا لیا اور حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ جب تک میں نہ آؤں ہنڈیا کو چولھے سے نہ اتارا جائے اور نہ روٹیاں پکانی شروع کی جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔آپ ﷺ تشریف لائے تو

دونوں میں لعاب دہن ڈال کر دعا دی اور پھر حضرت جابرؓ کی اہلیہ سے فرمایا کہ روٹیاں پکا پکا کر دیتی رہو۔

چنانچہ ایک ہزار کے قریب صحابہ کرام نے شکم سیر ہو کر یہ کھانا کھایا اور پھر بھی آٹا اور گوشت جوں کا توں رہا۔ آخر میں گھر والوں اور پھر آپ ﷺ نے تناول فرمایا۔ اس موضوع پر اور بھی بے شمار روایات آئی ہے۔ (ایضاً، صفحہ نمبر ۱۸۹،۱۸۸)

(ب) پانی جاری ہونا:

(1) امام بخاریؒ حضرت انسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ مقام الزرواء میں تھے، آپ ﷺ کے سامنے ایک برتن پانی کا لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ ڈالا، پانی آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے جوش مارنے لگا پھر اس چھوٹے سے برتن سے تقریباً تین سو افراد نے وضو کیا۔ (تیسیر الباری شرح و ترجمہ صحیح بخاری، جلد سوم، صفحہ نمبر ۴۸۸)

(2) ایک دوسرے موقع پر نماز عصر کے وقت وضو کے لئے ایک برتن سے پانی کے چشمے رواں ہو گئے اور تمام لشکر نے وضو کیا۔ (ایضاً صفحہ نمبر ۴۸۹-۴۸۸)

(3) یوم حدیبیہ میں صحابہ کرام کو سخت پیاس لگی۔ پانی کا صرف ایک برتن تھا۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے اس برتن سے پانی کے کئی فوارے پھوٹ پڑے ہوں۔ اس پانی سے وہاں پر موجود تقریباً چودہ سو صحابہ کرام نے وضو کیا اور شکم سیر ہو کر پیا مگر اس کے باوجود یہ عالم تھا کہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ اگر ایک لاکھ آدمی بھی ہوتے تو ان سب کو کافی ہوتا۔ (صفحہ نمبر ۴۹۰)

(4) حضرت براء بن عازبؓ صلح حدیبیہ ہی کے موقع کی ایک دوسری روایت نقل کرتے ہیں کہ مقام حدیبیہ میں پانی کا صرف ایک ہی کنواں تھا۔ ہم لوگ اس میں سے پانی پیتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کا آخری گھونٹ تک نکال لیا۔ پھر پانی کی رقت پیدا ہوئی۔

آپ ﷺ کو یہ اطلاع دی تھی تو آپ ﷺ کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گئے اور کچھ پانی منگوایا۔ پہلے کلی کی پھر بقیہ پانی بھی کنویں میں ڈال دیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ وہ کنواں پانی سے لبالب بھر گیا۔ جس سے تمام صحابہ کرام جن کی مجموعی تعداد چودہ سو تھی۔ ان کی تمام سواریوں نے پیٹ بھر کر پانی پیا۔ (ایضاً، صفحہ نمبر ۴۹۰)

اسی طرح ایک غزوہ کے دوران پانی کی قلت ہو گئی۔ اس وقت لشکر اسلام ایک چٹیل میدان میں خیمہ زن تھا۔ تلاش بسیار کے بعد ایک عورت ملی جو پانی کا مشکیزہ اٹھائے ہوئے گھر جا رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ یہاں آس پاس کہیں پانی موجود نہیں ہے اور یہ کہ اس کے گھر کا فاصلہ

ایک دن ایک رات کا ہے۔ آپ ﷺ نے اس مشکیزہ پر ہاتھ پھیرا اور اس کے منہ کو کھولنے کا حکم دیا۔ اس وقت لشکر میں تقریباً ۴۰ آدمی تھے۔ انہوں نے شکم سیر ہو کر پانی پیا۔ پھر مشکیزہ کا منہ بند کر دیا۔ مگر پھر بھی مشکیزہ جوں کا توں رہا۔ یہ دیکھ کر وہ عورت مسلمان ہوگئی۔ (مشکوۃ شریف، مترجم اردو جلد سوم صفحہ نمبر (191_19)

اس موضوع پر اور بھی بہت سی روایات ملتی ہیں۔

شفائے امراض:

(1) حضرت عبد اللہ بن عقیق رض کی ٹانگ پر جو ایک مہم کے دوران بلندی سے چھلانگ لگانے کی وجہ سے ٹوٹ گئی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا تو وہ بالکل ٹھیک ہوگئی۔

(2) غزوہ خیبر کے دوران حضرت علی کی آنکھیں آشوب زدہ تھیں، آپ ﷺ کے لعاب دہن کی برکت سے فوری طور پر ٹھیک ہوگئیں۔ (الرحیق المختوم از صفی الدین مبارکپوری)

(3)۔ ایک صحابی نابینا تھے۔ انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں آ کر اپنی تکالیف بیان کیں۔

آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ وضو کر کے میرے وسیلے سے دعا مانگو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور قدرت خداوندی سے شفا پائی۔ (المستدرک علی الصحیحین از الحاکم، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۴ھ، جلد نمبر 1 ص نمبر 519)

(4) ابن الجوزی رح نے ابو قتادہ بن نعمان کے متعلق نقل کیا ہے کہ غزوہ احد میں ان کی آنکھ حلقے سے باہر آ پڑی۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنی تکلیف بیان کی۔

آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے آنکھ کو اٹھا کر حلقے میں لگا دیا۔ اس پر ان کی بینائی بحال ہوگئی۔ (الوفاء باحوال المصطفی، از ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ-۱۲۰۱ء)، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۷۷ء، جلد ۲، صفحہ نمبر (۳۳۳)

(5)۔ ایک عورت کا بچہ گونگا تھا۔ وہ اسے آپ ﷺ کی خدمت میں لائی۔ آپ ﷺ نے پانی منگوا کر ہاتھ دھوئے اور کلی کی پھر وہ پانی اس بچے کو پلانے اس اس پر چھڑکنے کے لئے دیا۔ صرف وہ پانی پلانے سے بچہ ٹھیک ہو گیا اور بولنے لگا۔ (السنن ابن ماجہ، باب النشرہ)۔

(6) حضرت ابو ہریرہ رض نے قلت حافظہ کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دامن پھیلاؤ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ نے دامن میں ہاتھ ڈالا اور فرمایا اسے سمیٹ لو۔ حضرت ابو ہریرہ رض فرماتے ہیں کہ میں اس دن کے بعد سے کوئی بات نہیں بھولا۔ (مشکوۃ شریف، مترجم اردو واللہ جلد سوم، صفحہ نمبر ۱۹۸)

جمادات میں اثر:

مسجد نبوی ﷺ میں ایک کھجور کا تنا تھا۔ جس کے ساتھ ٹیک لگا کر آپ ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے۔ منبر تیار ہوا تو آپ ﷺ نے اس پر بیٹھ کر

خطبہ دینا شروع کر دیا۔عین اسی وقت اس کھجور کے تنے سے بچے کی طرح رونے کی آواز پیدا ہوئی ۔ (بعض روایات میں اونٹنیوں کی طرح بلبلانے کا ذکر ہے)یہ دیکھ کر آپ ﷺ نیچے اترے اوراس تنے کو سینے سے لگالیا تو آواز ختم ہو گئی ۔یہ رونا بالکل ایسا تھا جس طرح کوئی شخص کسی سے بچھڑ کراس کے فراق میں روتا ہے ۔(سیرۃ النبی از سید سلیمان ندوی،مطبوعہ اعظم گڑھ)

حجتہ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی مطابق آپ ﷺ کا یہ معجزہ حضرت موسیٰ اورحضرت سیدنا عیسی کے معجزات سے بڑھ کر ہے ۔کیونکہ بہر حال حضرت موسیٰ کا عصا اژدہے کی شکل میں آکر زندہ ہوااوراس نے اژدہوں جیسی حرکات کیں ۔اسی طرح حضرت عیسی کی بنائی ہوئی اشیاء پرندوں کی اصلی شکل وصورت میں آکر حیات ہوئیں مگر آپ ﷺ کی برکت سے کھجور کا تنا لکڑی ہوتے ہوئے زندہ ہوااور زندوں جیسی حرکات اس سے صادر ہوئیں .لہذا آپ ﷺ کا یہ معجزہ پیش روؤں کے معجزات سے بڑھ کر ہے ۔(دنیا میں اسلام کیوں کر پھیلا؟ از مولانا حسیب الرحمن ،مطبوعہ دیوبند ۱۳۶۵ھ ،صفحہ نمبر ۱۰۳)

(2)۔ایک مرتبہ آپ ﷺ ایک پہاڑ پر کھڑے تھے کہ وہ پہاڑ ہلنے لگا۔آپ ﷺ نے اس پر پاؤں کی ایک ضرب لگائی اور فرمایا کہ ٹھہر جا تیری پشت پر ایک پیغمبر ، ایک صدیق اور ایک شہید ہے ۔چنانچہ وہ پہاڑ ٹھہر گیا۔

(3) حضرت علی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمراہ تھے ۔راستے میں میں نے سنا کہ آنحضرت ﷺ جس درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے ہیں اس میں سے آواز آتی ہے کہ السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ (جامع ترندی ،مترجمہ اردو،از مولانا محمد صدیق سعید ہزاروی ،مطبوعہ لاہور، جلد دوم صفحہ نمبر ۲۷۴)

(4)اسی طرح کی ایک روایت کے راوی حضرت جابر بن سمرہ ؓ ہیں ۔وہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

میں مکہ کے ایک پتھر کو اچھی طرح جانتا ہوں جو مجھے مبعوث کئے جانے کے بعد سلام کیا کرتا تھا (سیرۃ حلبیہ ،از ...علامہ علی بن برہان الدین صبی بینی ،جلد اول ،مطبوعہ دارالمعرفہ ریاض ،)

(5) حضرت جابر علی فرماتے ہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں کھانوں سے تسبیح کی آواز سنائی دیا کرتی تھی ۔(تیسیر الباری شرح اردو صحیح بخاری، جلد نمبر ۳،صفحہ نمبر ۶۹۲)

(6) ایک مرتبہ ایک مجلس میں آپ ﷺ نے سات کنکریاں اٹھائیں تو ان میں تسبیح کی آواز پیدا ہوئی ۔آپ ﷺ نے انہیں رکھ دیا تو آواز رک گئی ۔(الوفاء باحوال المصطفی ﷺ ،از ابن جوزی ،جلد اول ،صفحہ نمبر ۴۲۳)

نباتات میں اثر:

ایک مرتبہ آپ ﷺ رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت جابرؓ پانی لئے ہوئے ہمراہ تھے۔ میدان ہموار ہونے کی بناء پر کوئی آڑ نہ تھی تو آپ ﷺ نے دور کھڑے ہوئے درختوں کو اشارہ فرمایا۔ وہ وہاں سے چل کر آئے اور باہم مل گئے۔ آپ ﷺ نے ان کی اوٹ سے فراغت حاصل کی۔ پھر انہیں اپنی جگہ پر چلے جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ (مشکوۃ شریف مترجم اردو جلد سوم صفحہ نمبر ۱۹)

ایک دوسرے موقع پر ایک بدو نے آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل طلب کی۔ آپ ﷺ درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے پوچھا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ درخت کی تمام شاخین زمین سے پیوست ہو گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے درخت کو اپنی اصلی حالت پر لوٹ آنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ درخت اپنی سابقہ کیفیت پر لوٹ آیا۔ یہ دیکھ کر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا (ایضاً صفحہ نمبر ۲۱۱)

اسی طرح ایک موقع پر آنحضرت ﷺ کچھ پریشان تھے۔ حضرت جبرائیل کے کہنے پر آپ ﷺ نے ایک درخت کو قریب بلایا۔ وہ درخت قریب آگیا۔ پھر اسے حکم دیا تو وہ واپس چلا گیا۔ (ایضاً صفحہ نمبر ۲۱۲)

حیوانات کا آپ ﷺ کے اعلیٰ منصب کو جاننا

مختلف روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ حلیمہ سعدیہ جب آپ ﷺ کو گود میں لے کر واپس ہوئیں تو ان کی سواری جو پہلے ان کی ہمجولیوں کی سواریوں سے پیچھے رہ جاتی تھی سب سے آگے آگے تھی۔ ان کی ہمجولیاں بار بار تعجب کا اظہار کرتی تھیں کہ کیا یہ وہ ہی سواری نہیں ہے جو آتی مرتبہ تمہارے پاس تھی؟ حلیمہ فرماتی ہیں کہ ہے تو وہی مگر اب اس کی شان ہی نرالی ہے۔ (السیرۃ النبویہ از ابن ہشام، مطبوعہ قاہرہ، جلد نمبر اول، صفحہ نمبر ۱۷۲ تا ۱۷۳)

اسی طرح حضرت ابو طلحہ کے سست رفتار گھوڑے کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ اسکی سواری فرمائی اور واپسی پر فرمایا یہ تو دریا ہے۔ آپ ﷺ کے فرمانے کے نتیجہ میں کوئی گھوڑا رفتار میں اسکا مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ (مشکوۃ شریف، جلد سوم صفحہ نمبر ۲۰۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بکریاں چرا رہا تھا، آپ ﷺ اور ابو بکر بھی تشریف لائے اور پینے کے لئے کچھ دودھ مانگا مگر میں نے معذرت کر دی۔ آپ ﷺ نے پوچھا اچھا کوئی بکری کا بچہ ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے اسے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے ہاتھ کی برکت سے اس بکری کے بچے نے دودھ دیا جسے پہلے آپ ﷺ نے پھر حضرت ابو بکر صدیق

نے اور پھر میں نے پیا۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر ۱۲۲)

سفر ہجرت کے دوران بھی ام معبد کی بکری کے دودھ دینے اور اس کے ایمان لانے کا ذکر آتا ہے۔ (الرحیق المختوم از صفی الدین مبارک پوریؒ صفحہ نمبر ۲۳۴،۲۳۵)

ایک مرتبہ ایک انصاری کا اونٹ باؤلا ہو گیا آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ اس کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ صحابہ کرام نے روکا۔ مبادا آپ ﷺ کو کاٹ نہ لے۔ مگر آپ ﷺ نے فرمایا، مجھے اس کا کوئی ڈر نہیں۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ آگے بڑھے تو اس اونٹ نے اپنا سر آپ ﷺ کے آگے ڈال دیا۔ آپ ﷺ نے اسے پکڑ کر مالک کے حوالے کر دیا اور فرمایا: ہر مخلوق جانتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں مگر گنہگار انسان اور جن نہیں جانتے۔

(الوفا با احوال المصطفی ﷺ از ابن جوزی بینی، جلد نمبر اول صفحہ نمبر ۳۰۲)

اسی طرح آپ ﷺ ایک مرتبہ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ جہاں ایک اونٹ کھڑا تھا۔ وہ اونٹ آپ ﷺ کو دیکھ کر بلبلانے لگا اور اسکی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے اس کے سر پر دست شفقت پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے مالک کو بلایا اور فرمایا یہ اونٹ مجھ سے شکایت کر رہا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو۔

(ابو داؤد شریف، باب الشفقة علی البهائم)

اسی طرح ایک مجلس میں آپ ﷺ تشریف فرما تھے کہ اونٹ نے آکر آپ ﷺ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اونٹ کس کا ہے؟ یہ مجھ سے اپنے مالک کی شکایت کر رہا ہے۔ تحقیق پر یہ بات ثابت ہوئی تو آپ ﷺ نے اس اونٹ کو اس کے مالک سے لے کر صدقہ کے اونٹوں میں بھیج دیا۔

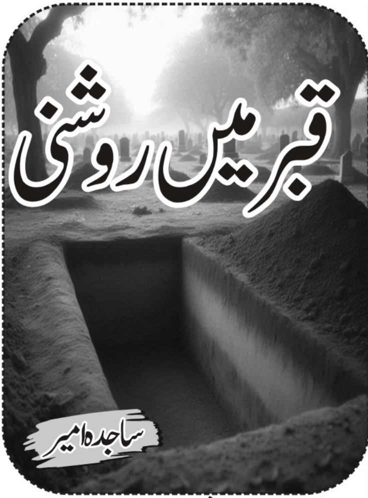
(الوفاء باحوال المصطفی ﷺ از ابن جوزیؒ، جلد نمبر اول، صفحہ نمبر (۳۰ تا ۳۰۲)

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اور متعدد سیرت نگاروں نے اس قسم کے متعدد واقعات ذکر کئے ہیں۔

مندرجہ بالا معجزات حضور نبی کریم ﷺ کے معجزات کا عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔ یہ تو بغیر کسی اہتمام و جستجو کے زیر قلم آگئے ہیں ورنہ حضور ﷺ کے بے شمار معجزات ہیں مگر میری بساط ہی کیا کہ میں ان کو احاطہ تحریر میں لا سکوں۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

☆☆.......☆☆.....☆☆



ایک گاؤں میں فیصل نام کا لڑکا رہتا تھا، وہ بہت محنتی اور ذہین تھا۔ صبح سویرے اُٹھ کے فجر کی نماز ادا کرتا، نماز ادا کرنے کے بعد روز صبح قرآن مجید کی تلاوت کرنا اسے بے حد سکون دیتا تھا۔

وہ اپنے والدین کا بہت فرمانبردار بیٹا تھا، ہر اتوار اپنے ابو کے ساتھ باغیچے کی صفائی کرواتا اور گھر کے کاموں میں اپنی امی کی مدد بھی کرتا تھا۔ فیصل کا ایک چھوٹا بھائی ہے، جس کا نام سہیل تھا۔ سہیل بہت آلسی اور نالائق تھا، وہ ہمیشہ جھوٹ بول کر گھر سے باہر نکل جاتا، اور شام کو واپس گھر آتا۔ جب بھی اسے نماز یا تلاوت کا کہا جاتا وہ جھوٹ بول دیتا کہ میں نے ادا کرلی ہے یا پھر ادا ہی نہیں کرتا تھا۔

فیصل اپنے بھائی کو بہت سمجھتا تھا لیکن وہ کبھی بھی کسی کی نہیں سنتا تھا۔ بات بے بات امی سے جھگڑا کرنا، بابا کو الٹا جواب دینا اس کی عادت تھی۔ ایک دن پورے شہر کی لائٹ کسی وجہ سے چلی جاتی ہے، سارا دن لائٹ نہیں آتی اور سننے میں آتا ہے کہ رات کو بھی بجلی نہیں آئی گی کیوں کہ آس پاس کے کسی علاقے میں ٹرانسفارمر کا کام ہو رہا ہوتا ہے۔ اس دن مغرب کے بعد سہیل جب گھر آتا ہے تو ہر جگہ اندھیرا ہوتا ہے بس کھانے کی ٹیبل اور کچن میں موم بتی جل رہی ہوتی ہے۔

”امی! یہ ساری بتیاں کیوں بند کر رکھی ہیں؟“ اندر آتے ہی سہیل غصے میں اپنی امی کو آواز دیتا ہے۔

”بیٹا! آج سارا دن لائٹ نہیں تھی، اور اب کہہ رہے ہیں رات میں بھی نہیں آئے گی۔“ امی نے کھانے کی ٹیبل پر سالن کا ڈونگا رکھتے ہوئے کہا۔

”کیا مصیبت ہے، میرے فون میں چارجنگ نہیں ہے اور اوپر سے بجلی والوں کو پتا نہیں کیا موت پڑ گئی“ سہیل غصے میں لال پیلا ہو گیا۔

”سہیل! ایسے نہیں کہتے۔“ امی نے کہا۔

سہیل منہ میں بڑبڑاتا ہوا واشروم کی طرف چلا گیا، ہاتھ منہ دھو کے کھانے کی ٹیبل پر بیٹھ گیا۔

”بھائی اور ابو کہاں ہیں امی؟“

سہیل نے پوچھا۔

”وہ نماز ادا کرنے گئے ہیں، آپ کو تو اپنی نمازوں کی فکر ہی نہیں ہے۔“ امی نے جواب دیا۔

"امی! میں بھی حضرت محمد ﷺ کا امتی ہوں، اللہ مجھے بخش دے گا۔" سہیل نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"اور اگر ہمارے نبی ہی اپنے اللہ سے بول دیں کہ اِسے جہنم میں پھینک دو پھر؟" پیچھے سے ابو کی آواز آئی۔

"ابو! ایسا نہیں ہوسکتا، ہم نے پڑھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے لیے جنت اور بخشش کی دعا مانگی تھی۔" سہیل مسکرانے لگا۔

"وہ سب ٹھیک ہے میرے بھائی، لیکن ہمارے نبی ﷺ کو اپنے رب کی عبادت کرنا، اُسے سجدہ کرنا بے حد پسند ہے، بھلا جو شخص اللہ کو سجدہ نہ کرے جبکہ قرآن مجید میں بار بار نماز کا کہا گیا ہے تو روزِ محشر نبی کریم کیسے اس کی بخشش کروائیں گے؟" ساتھ ہی فیصل نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"دیکھو بیٹا! کیا آپ چاہتے ہیں بجلی جلدی سے آجائے اور سارا گھر روشن ہو جائے؟"

ابو نے سہیل کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"جی ابو!" سہیل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو بیٹا سوچو! زمین کے نیچے کتنا اندھیرا ہوگا، کتنے کیڑے مکوڑے ہوں گے، سانپ اور بچھو ہوں گے۔ اگر تب ہماری قبر میں روشنی نہ آئی تو کیا کریں گے؟"

یہ سنتے ہی سہیل کے ہاتھ رک گئے۔

"بیٹا! اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی قبر بھی روشن ہو تو، روز پانچ وقت کی نماز باوضو ادا کیا کرو، اور ہر رات سونے سے پہلے سورت ملک تلاوت کیا کرو۔" ابو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سورت ملک کیوں ابو؟"

سہیل نے پوچھا۔

"کیوں کہ وہ ہماری قبر کو روشن کرے گی اور جب فرشتے حساب لینے آئیں گے تب قرآن مجید آئے گا اور بولے گا کہ مجھ سے حساب لو اسے سونے دو!" امی نے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

تب سہیل خاموش ہوگیا۔ سب نے سکون سے کھانا کھایا اور باتیں کرنے لگ گئے۔ امی گرم دودھ کے گلاس لے کر آئیں، ابھی وہ سب پی ہی رہے تھے کہ عشاء کی نماز کا وقت ہوگیا۔

"چلیں بیٹا؟" ابو نے فیصل سے پوچھا۔

"جی ابو!" فیصل نے جواب دیا۔

"آپ دونوں کہاں جا رہے ہیں؟"

سہیل نے کہا۔

"عشاء کی نماز ادا کرنے" فیصل بولا۔

"میں بھی چلتا ہوں۔"

یہ سنتے ہی سب خوش ہوگئے۔

اس دن کے بعد فیصل روز پانچ وقت کی نماز ادا کرنے لگا اور آہستہ آہستہ اس کے رویے میں کافی بدلاؤ آیا، وہ امی کی ہر بات مانتا تھا، اور ابو کے ساتھ مدد کرواتا تھا۔

☆☆......☆☆.....☆☆

بےچارا بھوت

کھٹاک کی آواز سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ زیرو کے بلب کی روشنی میں انہوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ ان کی ضروری کاغذات والی الماری کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا اور دوسرا خود بخود کھل رہا تھا۔ ایک پٹ سے ماسٹر چابی لٹک رہی تھی ۔۔۔ انہوں نے غور سے دیکھنے کی کوشش کی اور پھر ایک دم ان کے منہ سے چیخ نکلنے لگی جو انہوں نے بمشکل روکی۔ کیونکہ دو چمکتی آنکھیں ان کو دیکھ رہی تھیں۔ یعنی وہ صرف آنکھیں تھیں۔ وہاں کوئی ذی روح نہیں تھا۔ اس کے بعد کا منظر عجیب تر تھا۔ الماری میں سے ایک فائل خود بخود نکلتی نظر آئی تھی اور پھر وہ باہر نکل کر ہوا میں معلق ہوگئی۔ ان کے منہ سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکلی۔

"بھبھ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بھوت"

اگلا منظر انتہائی حیرتناک تھا۔

☆☆☆☆☆☆

"اس بات کا کسی کو بھی پتہ نہیں چلنا چاہیے۔" انہوں نے کہا۔

"مگر مجھے تو آپ بتا چکے ہیں۔"

رازی مسکرایا۔



"ارے! تم تو میرے نائب ہو ناں!"

"اچھا تو اب آگے کا کیا ارادہ ہے؟ سب سے اہم مرحلہ تو ہم نے طے کر لیا۔"

"کان ادھر لاؤ۔"

"لیجیے لے آیا۔"

اور پھر جب انہوں نے اسے سرگوشیوں میں ترکیب بتائی تو وہ اچھل ہی تو پڑا۔"

"لیکن ۔۔۔۔۔۔۔۔ لیکن کسی کی آنکھ کھل گئی تو؟"

تو بھی کیا ہوگا۔ اور بعد میں میں خود

ساری تفصیل راجہ زمان کے گوش گزار کردوں گا۔"

"بہتر ہے آپ پہلے ہی بتا دیں۔"

"نہیں۔۔ یہ ایک راز ہے اور فی الحال راز ہی رہے گا۔

ہم ابھی سے کسی کو کچھ بتا دیں تو دشمن تک بھنک نہ پہنچ جائے۔

وہ اپنا منصوبہ بدل نہ لے۔ فائل کی چوری کے لیے کوئی اور وقت نہ مقرر کرلے۔"

"مگر سر رر۔۔۔۔۔۔۔" رازی کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا ہوا؟" وہ چونکے۔

"مجھے خوف ابھی سے محسوس ہو رہا ہے۔ اس وقت کیا کروں گا۔"

اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

"کک۔۔۔۔کک۔۔۔۔۔کیا سر!" راشد کا منہ مارے حیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"بیٹا! یہ اکیسویں صدی ہے۔

ہر چیز ایڈوانس ہو چکی ہے۔" پروفیسر نایاب درانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مجھے کوئی دیکھ ہی نہ سکے۔" وہ ابھی تک حیرت کی زد پہ تھا۔

"یہی تو ہو گا۔

تم دن دیہاڑے یہاں سے نکلو گے اور شہر بھر کی رونقوں میں سے گزرتے ہوئے جاؤ گے

پھر بھی کسی کو نظر نہیں آؤ گے۔"

"بہت عجیب۔۔۔۔۔آپ۔۔۔آپ ناں!

بہت حیران کن شخصیت ہیں۔"

"بالکل۔۔۔بالکل" وہ بھی اچھے موڈ میں تھے۔"

"لیکن اگر رات کا وقت طے کرلیا جائے تو بہتر رہے گا۔ کیونکہ میں تو نظر نہیں آؤں گا لیکن میری بے ڈرائیور گاڑی ضرور مجمع اکٹھا کرلے گی۔"

"ہو تم ذہین۔ میں تمہارے منہ سے یہی سننا چاہ رہا تھا۔"

"اچھا جی"

"ارے! مم.........میں کچھ غلط محسوس کر رہا ہوں"

"کیوں۔۔۔۔۔کیا ہوا؟" راشد چونکا۔

"مجھے لگتا ہے کہ باہر کوئی موجود ہے اور ہماری ساری گفتگو سن رہا ہے۔" انہوں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"میں ابھی دیکھتا ہوں۔"

اتنا کہہ کے راشد بیٹھک کے بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ جونہی اس نے گلی میں جھانکا، اسے حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔

ایک لمحے کو تو اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ جب آنکھیں منظر سے اتفاق کرنے کے قابل ہوئیں تو وہ گھبرا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔

"سس سر ررررر!"

وہ وہیں کھڑے کھڑے چلایا۔

"کیا ہوا؟"

انہوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے پوچھا۔

"جلدی سے یہاں آئیے!"

پروفیسر درانی اس کے قریب آئے اور اس کی تقلید میں باہر جھانکا۔

"میں سمجھا نہیں۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے" انہوں نے کہا۔

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

راشد نے زور سے ماتھے پہ ہاتھ مارا"

☆☆☆☆☆☆

رات کے اندھیرے میں زیرو بلب کی روشنی میں ان کو چار آنکھیں چمکتی نظر آ رہی تھیں اور اس کے ساتھ ہی کھٹ پٹ کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ سب سے عجیب چیز وہ فائل تھی جو ہوا میں معلق ہونے کے ساتھ ساتھ بار بار خود بخود اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی یوں لگ رہا تھا، جیسے دو افراد آپس میں کشتی لڑ رہے ہوں۔ وہ چلائے اور چلاتے چلے گئے۔

"ارے کوئی ہے! جلدی ادھر آؤ!"

گھر کے دو چار افراد جاگ گئے اور دوڑے چلے آئے۔

ان کے کمرے کی لائیٹ جلائی گئی اور جو منظر سامنے آیا تھا، اسے دیکھ کر سب دنگ رہ گئے۔

☆☆☆☆☆☆

ان کو جھٹکے پہ جھٹکے لگ رہے تھے۔

وہ آج پروفیسر درانی کی غیر موجودگی میں ان کی تجربہ گاہ چلے آئے تھے اور سامنے جو چیز رکھی تھی اسے دیکھ کر حیرت سے ان کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

یہ ایک لباس تھا۔ وہ خود بھی ایک مایہ ناز سائنسدان تھے لہٰذا تھوڑی ہی دیر میں اس کا سارا سسٹم سمجھ گئے۔

یہ ایک عجیب و غریب لباس تھا۔۔ یہ دو حصوں پر مشتمل تھا۔ نیچے کا حصہ فراک نما تھا جس میں سارا کا سارا انسان چھپ جاتا تھا۔

یہ حصہ دھڑ سے شروع ہو کر پیروں تک جاتا تھا حتیٰ کہ پیر بھی اس میں کور ہو جاتے تھے۔ اوپر کا حصہ جرسی نما تھا جس میں سر چہرہ کمر بازو اور ہاتھ تک چھپ جاتے تھے۔ بس آنکھیں ہی ننگی رہتی تھیں۔ اب تک کی ایجادات میں شاید یہ سائنس کی سب سے زبردست ایجاد تھی۔

اس لباس کو پہننے کے بعد اس کے دونوں حصوں پہ لگائے گئے دو بٹنوں کو جب ذرا سا دبایا جاتا تو سارا کا سارا انسان غائب ہو جاتا تھا۔ لباس دکھائی ہی نہ دیتا تھا۔

کیونکہ اس لباس کی چند تاروں میں سے ایسی شعاعیں نکلتی تھیں جو انسانی جسم کی اور اس لباس کی ساخت شیشے جیسی کر دیتیں اور جسم اور لباس دکھائی

ہی نہ دیتا۔

☆☆☆☆☆☆

لائیٹ جلنے پہ وہ سب ہکا بکا رہ گئے۔ سامنے ایک انسان کا حرکت کرتا فقط سر تھا اور اس سے ذرا فاصلے پہ فائل۔ فائل سے کچھ اوپر دو چمکتی آنکھیں۔

کمرے میں سوائے راجہ زمان کے اور کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا مگر لگ یوں رہا تھا جیسے دو انسان کشتی لڑ رہے ہوں۔

انسانی سر کو دیکھ کر وہ سب بوکھلا گئے اور کمرہ ایک دم چیخوں سے گونج اٹھا تھا۔ اس کے فوراً بعد ان سب نے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔

"بھوت۔۔۔۔۔ بھوت۔۔۔۔ بھوت۔"

وہ سب چلا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

"آخر ہوا کیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"تم پاگل کیوں ہونے لگے!"

"سر! یہاں ایک موٹر بائیک کھڑی تھی۔ وہ خود ہی اسٹارٹ ہوئی اور دوڑتی چلی گئی۔"

"کیا مطلب!"

انہوں نے بھنویں اچکائی تھیں۔

"اسے چلانے والا کوئی نہیں تھا"

راشد نے وضاحت کی۔

"کیا؟؟" وہ حیران رہ گئے۔

"جی ہاں"

راشد کی آنکھوں میں خوف دوڑ رہا تھا۔

"ضرور تمہیں وہم ہوا ہوگا۔"

انہوں نے سر جھٹکا۔

"نہیں نہیں۔ میں نے خود دیکھا ہے۔"

"ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کسی نے رسہ لگا کے کھینچی ہو۔"

"او اچھا لیکن کیوں" راشد نے پوچھا۔

"کوئی ہماری توجہ ہمارے کام سے ہٹا رہا ہے"

"اوہو اف۔۔۔ اب کیا کریں۔"

"جلد از جلد اپنا کام مکمل کریں۔

"انہوں نے کہا۔

☆☆☆☆☆☆

پروفیسر درانی نے اس ایجاد کو پوری طرح خفیہ رکھا تھا لیکن راشد پہ پورا اعتماد تھا لہٰذا انہوں نے اسے پوری تفصیل بتا دی تھی۔

وہ حکومت سے چند راز ہتھیانا چاہتے تھے۔ جو ان سے دشمن ملک نے مانگے تھے ان رازوں پر مشتمل فائل آج کل راجہ زمان کے پاس تھی اور وہ اس لباس کے ذریعے وہ فائل حاصل کرنا چاہتے تھے۔

ان کا منصوبہ تھا کہ راشد رات کے وقت یہی لباس پہن کر جائے گا اور وہ فائل اڑا لے گا۔ تالے کھولنے کا وہ ویسے ہی ماہر تھا اور وہ پہلے بھی اسی لباس میں راجہ زمان کی کوٹھی جا کر سارا ماحول نوٹ کر چکا تھا۔

فائل راجہ زمان کے بیڈ روم میں ہی کونے

میں رکھی الماری میں تھی۔

اب ان دونوں کو رات ہونے کا انتظار تھا۔

☆☆☆☆☆☆

"دوست ہو تو تمہارے جیسا"

پروفیسر درانی نے منہ بنایا۔

"جو کبھی شکل ہی نہ دکھائے"

"سوری یار۔بس مصروفیت ایسی رہی کئی دن گھر سے نکلنا نہ ہوا"

"ایسے کون سے تیر مار لیتے ہو"

پروفیسر درانی نے کہا تو پروفیسر سعید نے ایک دم ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ان کو لگا وہ طنز کر رہے ہیں

"ہاں بھئی۔اب ہم آپ کی طرح ذہین تھوڑی ہیں۔" وہ اداس سے لہجے میں بولے"اور سناؤ کچھ نیا ایجاد کیا؟"

"نن نہیں۔"

پروفیسر درانی کے اندر کا چور گھبرا گیا۔

"میں تو بس آج کل فارغ پھرتا ہوں۔بچوں کے ساتھ وقت گزار رہا ہوں۔

لو چائے آگئی"

"آخری جملہ انہوں نے چہکتے ہوئے ادا کیا کیونکہ ملازم اسی وقت چائے کی ٹرالی گھسیٹتا اندر داخل ہوا تھا۔انہوں نے شکر کیا کہ موضوع بدل گیا۔

پروفیسر سعید ان کے پرانے دوست بلکہ جگری یار تھے مگر انہوں نے اس لباس کا راز ان کو بھی نہ دیا تھا اور آج تو وہ چاہتے تھے انکو جلد از جلد رخصت کر دیں۔

آج ہی تو انہوں نے راشد کو فائل چوری کرنے کے لیے بھیجنا تھا۔اور پروفیسر سعید ٹپک پڑے۔

کوئی گھنٹہ بھر کے بعد وہ رخصت ہوئے تو انہوں نے سکون کا سانس لیا۔

☆☆☆☆☆☆

رازی بائیک سے اترا اور تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔وہ ساری معلومات لے چکا تھا۔

پروفیسر درانی کا آج ہی رات کو واردات کرنے کا ارادہ تھا۔وہ آئی جی راجہ زمان کی رہائش گاہ پر جا کر اندر کا سارا ماحول اور نا ک نقشہ نوٹ کر چکا تھا۔اب اسے رات ہونے کا انتظار تھا۔

☆☆☆☆☆☆

رازی اور راشد آپس میں گتھم گتھا تھے۔رازی اپنے مخصوص لباس میں راشد کے آنے سے پہلے ہی وہاں موجود تھا اور اسی الماری کے قریب دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا جس میں فائل تھی۔ جونہی الماری کھلی، رازی نے اندازے سے ہاتھ آگے بڑھایا اور راشد کے ہاتھ کو جکڑ لیا۔

راشد اس اچانک آفت سے بوکھلا گیا اور لگا اپنے دوسرے ہاتھ سے اس کو پیچھے ہٹانے۔

اس دوران راجہ زمان کی آنکھ کھل گئی تھی اور انہوں نے شور مچا کر گھر کے افراد کو بلا لیا تھا۔

جب تک گھر کے افراد اندر داخل ہوئے، رازی ایک کامیابی حاصل کر چکا تھا۔

وہ کسی طرح راشد کے سر پر سے مخصوص لباس کا ایک حصہ اتار چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

"بھوت ۔۔۔۔۔بھوت ۔۔۔۔۔۔بھوت۔"

وہ سب چلا رہے تھے۔

"خبردار ۔۔۔۔۔کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرے گا۔"

اس آواز کو سن کر سب چونکے۔

انسپکٹر شاہد کمرے میں داخل ہو چکے تھے۔ان کے پیچھے کئی کانسٹیبل تھے۔

"اس پوری کوٹھی کو پولیس گھیرے میں لے چکی ہے۔یہاں ایک مجرم چھپا ہوا ہے۔"

وہ دوبارہ بولے۔

پھر وہ آگے بڑھے اور اپنے اندازے کی طرف ہاتھ بڑھا کر راشد کے سر کے نچلے حصے سے لباس کھینچنے کی کوشش کرنے لگے۔

دوسری طرف رازی بھی اسی کوشش میں تھا۔ڈبل کوشش تھی لہٰذا راشد کے لباس کی ہکیں کھلتی چلی گئیں اور اس کے بدن سے وہ لباس اترتا چلا گیا۔

اندر سے تھری پیس فام راشد نکل کر ظاہر ہو گیا۔

جلد ہی اسے ہتھکڑی پہنا دی گئی۔گھر کے سارے افراد انگشت بدنداں تھے۔

"رازی! اب تم بھی مخصوص لباس اتار دو! اب تم محفوظ ہو۔

ذرا دیر بعد رازی کا بھی عام کپڑوں والا سراپا عیاں ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

"یہ خط کوئی شخص آپ کے لیے دے گیا ہے"

جیلر نے ایک کاغذ لا کر ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

آج پروفیسر نایاب درانی کی زندگی کا آخری دن تھا۔ان کا نائب راشد رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا اور اس نے سب کچھ اگل دیا تھا۔اس کے تھوڑی دیر بعد انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔

اس واقعے کو دو ماہ گزر چکے تھے۔ان کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔کیس تھانے سے گزر کر عدالت سے ہوتا ہوا بالآخر تختہ دار تک آ پہنچا تھا۔آج ان کو پھانسی دی جانا تھی۔مگر ابھی تک ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ آخر کون تھا ان کی مخبری کرنے والا؟

انہوں نے تہہ شدہ کاغذ کھولا۔

"پیارے دوست! تم حیران ہو گے کہ یہ سب میں نے کیا۔تم نے تو اس لباس کی ایجاد کو مجھ سے صاف چھپا لیا تھا۔

وہ تو میں ایک دن تمہاری غیر موجودگی میں تمہاری تجربہ گاہ میں گیا تو اس لباس پہ میری نظر پڑ گئی۔تم شاید تھوڑی دیر کے لیے اسے کھلا چھوڑ کر کہیں گئے تھے تو قسمت نے میرا ساتھ دیا اور مجھے

وہاں لے گئی۔ پھر میں نے ویسا ہی لباس ایجاد کیا تو مجھے تم پہ نظر رکھنا آسان ہو گیا اور اپنے نائب کے ذریعے میں تمہاری مخبری لیتا رہا۔

ہاں میرا نائب رازی کئی بار دن کی روشنی میں وہ لباس پہن کر تمہاری تجربہ گاہ گیا۔ اس طرح مجھے پتہ چلا تم دشمن ملک کے لیے راجہ زمان سے وہ فائل اڑانا چاہتے ہو۔

جس دن تمہارا اس واردات کا ارادہ تھا میں اس دن بھی تمہارے گھر گیا اور تم نے مجھ پہ طنز مارا کہ ایسے کون سے تیر مار لیتے ہو۔ تم دیکھ لو میں نے ایک تیر مار ہی لیا جو سیدھا تمہیں ہی لگا ہے۔ میں نے ہی رازی کو راجہ زمان کی کوٹھی واردات کے وقت بھیجا۔ میں ہی پولیس لے کر وہاں گیا۔ کیونکہ تم میرے دوست نہیں، دشمن تھے۔ جو میرے ملک کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے۔"

فقط تمہارا دشمن

پروفیسر سعید

خط پڑھ کر پروفیسر درانی وہیں بیٹھتے چلے گئے۔ راشد نے اس دن جس موٹر بائیک کے خود بخود چلنے کی خبر انہیں دی تھی اس کی حقیقت انہیں آج معلوم ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

رازی اپنی ہی دھن میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک کسی سے ٹکرا گیا۔

"دھیان سے بھئی"

"اوہ! یہ تم ہو؟" رازی نے کہا۔

"نہیں تمہاری روح"

"میری روح اتنی نیک کہاں" رازی نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

سچ مچ تمہاری روح ہی ہوں ورنہ اگر میں بر وقت پروفیسر سعید کو ساری بات نہ بتاتا وہ آ کر اس لباس کو نہ دیکھتے تو کیسے یہ سب ہوتا"

"آہ! سچ کہتے ہو" رازی بولا۔

"اس ملک کو تم جیسے ہی وطن دوست نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ تم نے ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر پروفیسر سعید کو ساری صورتحال بتائی پھر ہم نے دن رات ایک کیا تو وہ لباس ایجاد ہوا اور اس کے بعد بھی تم مسلسل ہم لوگوں سے رابطے میں رہے اور پروفیسر درانی کے عزائم بتاتے رہے۔"

"اور تم بھی چوروں کی طرح آتے رہے خود بخود چلتی موٹر بائیک پہ۔ اگرچہ مجھے سب معلوم تھا مگر میں نے خوفزدہ ہونے کے ڈرامے خوب کیے۔ پھر ہم دونوں اکٹھے ہی رات کو راجہ زمان کی کوٹھی میں داخل ہوئے اور وہاں جا کر پلان کے مطابق ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔"

کہتے کہتے راشد نے رازی کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا اور پھر دونوں ہنستے چلے گئے۔

☆☆.....☆☆.......☆☆



وہ کون تھے؟؟

مجاہد بن محمد ارحابی

ان کا تعلق قبیلہ بنو خزرج سے ہے۔ بچپن اصحاب صفہ کے ساتھ گزرا۔ علم کے زیور سے آراستہ تھے مگر ان سے روایات نہیں ملتیں۔ اس کی وجہ یہ لکھی گئی ہے کہ ان کے اندر سپاہیانہ اور جہادی ذوق اس قدر زیادہ تھا کہ وہ روایت حدیث کی طرف توجہ نہ دے سکے۔

ان کی زندگی اول تا آخر جہاد کے گرد گھومتی ہے۔ وہ بہت بہادر تھے۔ دشمن کی پروا کیے بغیر لشکر میں گھس جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اپنے سالاروں کو خط لکھا تھا کہ خبردار ”اسے“ کسے دستے کا سربراہ نہ بنانا کیوں کہ وہ تو اتنا بہادر ہے کہ فوراً دشمن کی صفوں میں گھس جاتا ہے اور اس جیسی مہارت سب سپاہیوں میں نہیں ہے، لہٰذا نقصان کا خطرہ ہے تو اسے سربراہ نہ بنانا۔

اس خط سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کس قدر بہادر تھے۔ ان کی بہادری کا ایک نمونہ جنگ یمامہ میں نظر آیا۔ آئیے اس جنگ کا حال پڑھتے ہیں:

یمامہ کا میدان سج گیا تھا۔ مرتدین تلوار سونت چکے تھے۔ مسلمان بھی تیار تھے۔ پھر جنگ شروع ہوگئی۔ سب مسلمان خوب پامردی سے لڑے۔ مسیلمہ کے ساتھی دیوانوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ مسلمان بھی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی للکار پر لپک لپک کر مقابلہ کر رہے تھے۔ اسی کوشش میں حضرت قیس بن ثابت، حضرت زید بن خطاب، حضرت ابو حذیفہ، حضرت سالم اور کئی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی جانیں فدا کر دیں۔

نہوں نے کانپتے ہوئے مسلمانوں کو للکارا:

”اے مسلمانو! کدھر جا رہے ہو، ادھر آؤ، میری طرف آؤ!“

ان کی للکار سن کر مسلمانوں کے اکھڑتے قدم جم گئے۔ انہوں نے تازہ جوش سے دشمن پر حملہ کیا۔ اس وقت دشمن کا ایک نامی گرامی پہلوان ’حمار یمامہ‘ بھی سامنے آگیا۔ انہوں نے اس کے

پاؤں پر وار کر کے گرانا چاہا۔ پاؤں بچانے کے چکر میں وہ لڑکھڑاتا ہوا گر پڑا۔ اسی کی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا گیا۔

لڑائی کی شدت دیکھ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اندازہ لگایا کہ جب تک مسیلمہ کذاب کا خاتمہ نہیں ہوتا، جنگ ختم نہیں ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے ایک فدائی دستہ تشکیل دیا۔ یہ دستہ مسیلمہ کے پیچھے لگ گیا۔ جیسے ہی مسیلمہ کو اندازہ ہوا کہ مسلمان اس کی تلاش میں ہیں، وہ بھاگتا ہوا ایک باغ میں جا گھسا۔ اس کا دروازہ بہت مضبوط تھا۔

اس موقع پر پھر اسی بہادر مجاہد نے کہا:

''مسلمانو! مجھے اٹھا کر باغ میں پھینک دو، میں دروازہ کھول دوں گا۔''

مسلمان یہ سن کر حیران رہ گئے۔ وہ پہلے تو ہچکچائے، لیکن ان کے بے پناہ جذبے کو دیکھ کر انہیں اچھال کر اندر پھینک دیا۔ وہ اندر جا گرے۔ پھر اٹھ کر لڑائی شروع کر دی۔ وہ دیوانہ وار لڑتے ہوئے باغ کے دروازے تک پہنچ گئے اور دروازہ کھول کر مجاہدین کا راستہ ہموار کر دیا۔ اس لڑائی میں ان کے جسم پر سینکڑوں زخم آئے۔

جب مسلمانوں نے ایران کے مشہور شہر ''تُستر'' کو فتح کرنے کے لیے اس کا محاصرہ کیا تھا تو اہل فارس نے ایک نہایت مضبوط قلعے میں پناہ لے لی تھی۔ مسلمانوں نے قلعے کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ دشمنوں نے قلعے کی فصیلوں سے لوہے کی زنجیریں لٹکا دی تھی، جن کے سروں پر فولادی آنکڑے جڑے ہوئے تھے۔ ان آنکڑوں کو آگ میں تپا کر انگاروں کی طرح سرخ کر دیا جاتا تھا۔ یہ دہکتے اور نوکیلے آنکڑے مسلمانوں کے جسموں میں گھس جاتے، اور وہ ان میں پھنس کر رہ جاتے۔ ایرانی زنجیروں کے ذریعے انہیں اوپر کھینچ لیتے۔ جس کے نتیجے میں مسلمان یا تو موت کے منہ میں چلے جاتے یا شدید زخمی ہو جاتے۔ اسی طرح ایک آنکڑا ان کے بھائی کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ بھائی کو مشکل میں دیکھ کر وہ قلعے کی دیوار کی طرف لپکے اور زنجیر کو مضبوطی سے پکڑ لیا جو ان کے بھائی کو اوپر کھینچ رہی تھی۔ وہ اپنے بھائی کو آنکڑے سے آزاد کرانے کی کوشش کرتے رہے، لیکن اس عمل میں ان کے دونوں ہاتھ جل گئے۔ انہوں نے اپنی تکلیف کی پروا کیے بغیر زنجیر کو نہ چھوڑا اور اپنے بھائی کو آنکڑے سے آزاد کرا کر ہی دم لیا۔ جب انہوں نے اپنے بھائی کو بچا لیا تو وہ زمین پر گر پڑے۔ اس وقت تک ان کے ہاتھوں کا سارا گوشت جل چکا تھا، اور صرف ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔ یہ واقعہ ان کی بے مثال بہادری، جرات، اور بھائی کے لیے بے پناہ محبت کی عکاسی کرتا ہے۔

سن بیس ہجری میں تستر کی اسی لڑائی میں سرفروشی کی داستان رقم کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

شمارہ رمضان المبارک کا درست جواب:
حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ۔



دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نُبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: یہ فقرے میں استعمال کرو!

میرے منہ میں پانی بھر آیا۔

جواب: میں نے جیسے ہی پانی کی بوتل کو منہ لگایا میرے منہ میں پانی آ گیا۔

☆☆.......☆☆.....☆☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: اس دور کے کفار کا سب سے بہترین علاج کیا ہو سکتا ہے؟

جواب:

جو ہر دور میں بہترین علاج رہا ہے۔

☆☆.......☆☆.....☆☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: آپ کے بارے میں سب سے دلچسپ چیز کیا ہے جو زیادہ تر لوگ نہیں جانتے؟

جواب: یہ کہ میں ایک دلچسپ آدمی ہوں۔

☆☆.......☆☆.....☆☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: کیا آپ بھی میرے بھائی کی طرح چاولوں میں دھی بلے اور چٹنی اور اور پکوڑا بھی اسی کے ساتھ کھاتے ہیں؟

جواب: آپ کا بھائی میری طرح ایسے کرتا ہو گا میں کسی کی نقل نہیں کرتا۔

☆☆.......☆☆.....☆☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: انسان جب اپنی زندگی سے مایوس ہوتو اسے کامیابی بھی ناکامی نظر آتی ہے ایسا کیوں؟

جواب: کیونکہ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا ہوتا ہے۔

☆☆.....☆☆.......☆☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: پوچھنا یہ تھا کہ چڑی روزہ رکھنی میں کوئی عمر کی حد ہے یا کوئی بھی رکھ سکتا ہے؟

جواب:
پاگل ہر عمر میں رکھ سکتے ہیں بے فکر رہیں۔

☆☆.....☆☆.......☆☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: احسان کر کے جتلانے والے کو کیا کہتے ہیں؟

جواب: احسان کر کے جتلانے والا۔

☆☆.....☆☆.......☆☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: اگر آپکے ذہن میں کبھی یہ خیال آئے کہ ہماری افطاری کریں تو کہیں پہنچے کر لیجیئے گا کیونکہ آپکے محل تک تو روزے کے ساتھ زندہ پہنچنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

جواب: میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے۔

وہ کون تھے؟؟

ہمشیرہ محمد احمد

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

عبد الماجد۔بنت حفیظ۔خالدہ صدیق۔محمد عبد الرؤف۔نعیم اللہ۔صدیقہ بنت رؤف۔نور الٰہی۔
محمد فرقان۔عائشہ بنت عمران۔محمد حبیب اللہ۔محمد نسیم۔محمد حسن۔عائشہ فاروق۔زہرہ فاروق۔

جناب ابوامامہ صاحب!

السلام علیکم!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے میں چونکہ پہلی بار خط لکھ رہا ہوں اور پٹھان بھی ہو۔اس لیئے صرفی اورنحوی غلطیوں پر معذرت خواہ ہوں اور آپ کو پتہ ہو گا کہ پٹھان جذباتی لوگ ہیں۔اس لئے میرے ملفوظات اورارشادات مسلمان بچے میں شائع نہ کئے گئے تو میں جذبات اور غصے میں آ کر اپنا سر دیکھا ماشاءاللہ اچھی تحریر تھی۔محمد الضیف شہیدؒ کے احوال جان کر ایمان میں اضافہ اور قلب و روح میں تازگی پیدا ہوئی۔بچوں کے نفسیات کو دیکھتے ہوئے ابو شفاء صاحب نے راز سر بستہ آشکارا کر دیئے ہیں اور ہمارے معلومات میں اضافہ کر دیا ہے۔حجۃ اللہ فی الجہاد حضرت مولانا مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے میں خصوصی طور پر ان



دیوار میں ٹکراؤں گا۔

مدیر صاحب تو ماشاءاللہ بچوں کے نظریات سازی کا قابل قدر فریضہ سرانجام دے رہے ہیں اور مسلمان بچے تو وہ رسالہ ہے جو فلسطین پر مسلسل لکھ رہا ہے۔مارچ 2025 کے شمارے میں محمد فیصل کا مضمون سرخ ٹوپی بہت دلچسپ تھا۔ایسا لگتا ہے جیسے مظلوم و معصوم بچوں کی آہوں کو الفاظ کے سانچے میں ڈھالا ہو۔میں طویل عرصہ سے ماہنامہ مسلمان بچے پڑھتا ہوں اس میں حبیبہ قدسیہ کا نام پہلی بار کے تحاریر مسلمان بچے مدینہ مدینہ اور بنات عائشہ میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھتا ہوں۔شمارے میں ٹیپو سلطان شہیدؒ جرات و ہمت کا ایک حسین باب ہے۔چند ادھورے خیالات کے اظہار کے بعد آخر میں یہ عرض کروں گا کہ میں اور میرا ساتھی موسیٰ عادل چند شذرات بھیج رہے ہیں، قبول فرمائیں۔

والسلام

ابوطلحہ قاسمی حماسی

☆☆.......☆☆.....☆☆

محترم مکرم مدیر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اس رب کائنات کی حمد وثنا سے ابتدا کرتی ہوں جس کی حمد ثنا کی انتہا نہیں۔

میرے رب کا جتنا شکرادا کروں وہ کم ہے کہ ہمیں اشرف المخلوقات بنا کر سب سے بڑا احسان اپنے بندوں پر فرمایا ارہمیں جانور چرند پرند حیوانات جمادات بناتا تب بھی ہمیں کوئی اعتراض کا حق نہیں تھا۔

لیکن اس مالک کا لاکھوں شکر جس نے ہمیں اشرف المخلوقات کے ساتھ ساتھ دوسرا سب بڑا اور اہم افضل اونچا احسان یہ فرمایا کہ ہمیں امت محمدیہ ﷺ میں پیدا فرمایا، انبیاء علیہ السلام نے آپ ﷺ کے امتی ہونے کی دعائیں مانگی لیکن ہمیں یہ عظیم نعمت احسان بن مانگے عطا ہوئی جتنا شکر اس پر ادا کریں وہ کم ہے، اس کے بعد یہ احسان بھی کم نہیں کیا ہمیں سب سے بہتر افضل اکمل دولت عطا فرمائی اور قرآن وحدیث سے ہمیشہ جوڑے رہنا کا عظیم شرف حاصل ہے مجاہدین اکرام عظیم جماعت سے ہمیں منسلک کیا یہ بھی ایک عظیم نعمت سے کم نہیں ہمارے دلوں میں مجاہدین علماء مدارس مساجد کی محبت کو پروان چڑھایا مالک تیرا ہر سانس پر شکر جتنا ادا کرے شکروہ بہت ہی ہے کم لیکن اس شکر پر جو اجر ملے گا وہ بہت گرانقدر ہے۔

مدیر صاحب! میں اس رسالہ کی قدیم قاریہ ہوں اس میں لکھنے کا کئی بار شرف حاصل ہوا، میں شروع ہی سے اس رسالہ پر تبصرہ نہیں کر پائی اپنے آپکو ابھی اس قابل سمجھا نہیں اس کی جتنی بھی تعریف کروں وہ کم ہے یہ مجلہ ایک عظیم بلند ستارہ کے مانند لگتا ہے جو کوئی اس کو پڑھتا ہے یا جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس پر اس کا اثر ضرور ہوتا ہے آخر کیوں نہ ہو یہ مجلہ جن شخصیت کی سرپرستی میں ہے وہ خود ایک باعمل عالم متقی امت کا درد رکھنے والے عظیم بلند ہمت والے انسان ہے وہ ہمارے پیارے امیر المجاہدین حضرت مولانا مسعود ازہر حفظہ اللہ تعالیٰ جن کو ہمیشہ مظلوم مسلمانوں کی فکر دامن گیر ہوتی ہے روز شب اسلام کی عظمت کو پروان چڑھانے کی فکر تڑپاتی ہے مسلمانوں میں جذبہ جہاد کو پھر سے بیدار کرا کر مظلوم مقہور مجبور مغلوب مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتے ہے۔

اس ماہ کا رسالہ ملا بہت ہی اچھا تھا اس کو دیکھ کر ہی اتنا اچھا لگا تو پڑھنے میں تو اور بھی اچھا لگنا تھا ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی بہت ہی عمدہ کہانیاں ہیں اس راسالے میں ایک قسط وار اچھی سی کہانی ہونی چاہئے جو مزیدار ہو جیسے جانباز تھی اسی طرح کی ایک کہانی ہونا ضروری ہے میں نے خطوط میں دیکھا کہ لوگوں نے کہا ہوا ہے کہ اس طرح کی کوئی نہ کوئی کہانی ہونا ضروری ہے تو امید ہے اس پر کام چل رہا ہوگا اور ہمیں اگلے شمارے تک کوئی ایسی قسط وار اور دلچسپ قسم کی کہانی پڑھنے کو ملے گی۔

آپ سب سے دعاؤں کی خصوصی درخواست ہے

والسلام

حبیبہ قدسیہ

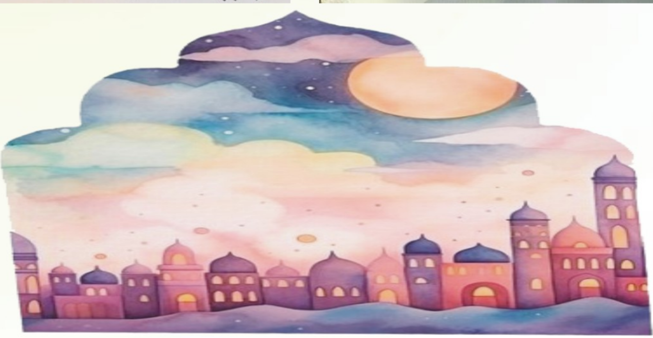
☆☆.....☆☆.......☆☆

آرٹ گیلری

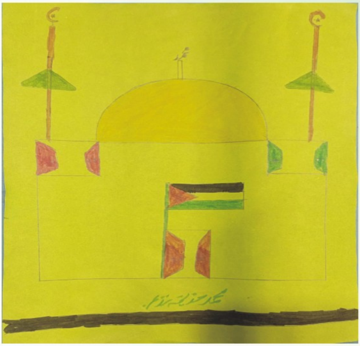








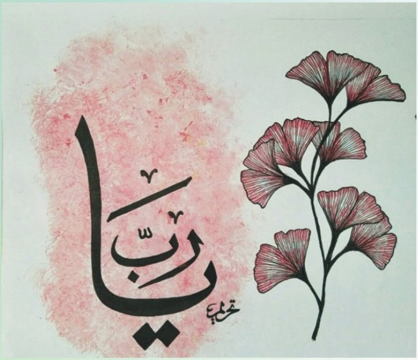

لَآ إِلٰه إِلَّا أَنتَ
سُبحَانَكَ
إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِين.




محمد حذیفہ، محمد عکاشہ، محمد حذیفہ





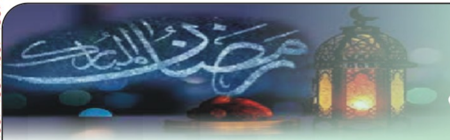




لكِ من قلوبنا سلامُ يا
قدس الأقداس







خدا حافظ رمضان

جاتے ہو ماہِ رمضان روتا ہے دل ہمارا
حافظ خدا تمہارا حافظ خدا تمہارا

تم آئے تو جہاں میں رونق تھی جیسے آئی
رحمت برس رہی تھی پر جوش تھی خدائی

پر نور تھے وہ منظر پر کیف تھا نظارا
حافظ خدا تمہارا حافظ خدا تمہارا

شام و سحر اذان کی آتی رہیں آوازیں
اور شوق سے مسلماں پڑھتے رہے نمازیں

ایمان کا یہ جذبہ تم نے ہی تو نکھارا
حافظ خدا تمہارا حافظ خدا تمہارا

قرآن کی تلاوت کرتے تھے تیرے قاری
دنیا میں رحمتوں کے چشمے ہوئے تھے جاری

پھر زندگی میں آنا اگلے برس خدارا
حافظ خدا تمہارا حافظ خدا تمہارا

ہم انتظار تیرا پھر سال بھر کریں گے
اتنی خبر نہیں ہے زندہ بھی ہم رہیں گے

شاید کہ دیکھ پائیں ہم گھڑیاں یہ دوبارہ
حافظ خدا تمہارا حافظ خدا تمہارا